قرآن، حدیث اور علم رجال کی روشنی میں



تحقیق قضیہ فدک

مخالفین کے جملہ اعتراضات کے مدلل جوابات

مؤلف
قسور عباس حیدری

ناشر
فخر العباس ٹرسٹ پاکستان

قرآن، حدیث اور علم رجال کی روشنی میں

تحقیق قضیہ فدک

مخالفین کے جملہ اعتراضات کے مدلل جوابات

مؤلف

قسور عباس حیدری

ناشر

فجر العاشورپاکستان

فہرست

تقریظ اَز اُستاد محترم محقق علامہ جناب سید علی عمران بخاری مد ظلہ العالی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد اللہ رب العالمین والصلاۃ والسّلام علی حبیب قلوبنا وشفیع ذنوبنا، النبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وعلی اہل بیتہ الطیّبین الطاہرین،
الذین اذہب اللہ عنہم الرجس وطہّرہم تطہیراً۔

فدک اور اس واقعہ کے تحت جناب فاطمہؑ اور حضرت ابوبکر کے درمیان اختلاف ونزاع ایک موضوع ہے جو صدرِ اسلام سے علما، محققین ودانشمندوں کے درمیان مورد بحث وتحقیق رہا ہے اِس سلسلے میں بیشمار کتب تحریر کی گئی، کئی مناظروں کے دور ہوئے اور موضوع کے کئی پہلوؤں پر نظر کی گئی زیر نظر کتاب کے کچھ حصے کا جتنا مجھے وقت ملا بدقت مطالعہ کرنے کے بعد مَیں نے اسے محکم ومدلل پایا، اِس کتاب کا انداز تحریر جہاں نہایت آسان اور ایک عام قاری کی فہم وفراست کے مطابق ہے وہی **فدک** کے موضوع پر محققین کے لئے تحقیق کے نئے در بھی وا کئے ہوئے ہے۔

فاضل مصنف نے اِس حساس اور اہم موضوع پر نئے اسلوب کے

ساتھ تحریر کی ہے اور **فدک** کے موضوع پر لکھی دیگر کتب کی ایک سطح کی بحث سے ہٹ کر نہایت تحقیق اور دقت کے ساتھ اس واقع کو علمی اور تحقیقی لحاظ سے زیر بحث لانے کی کوشش کی ہے زیر نظر کتاب میں فاضل محقق کی جانب سے علمِ حدیث کے دقیق مطالب اور رجال کی انتہائی خشک و جافشانی والی ابحاث کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جو اس سے پہلے ہمیں دیگر کتب میں دیکھنے کو نہ ملا۔

مصنفِ کتاب محترم قسور عباس حیدری صاحب سے کافی پرانی شناسائی ہے اور کتابِ ہذا سے پہلے ان کی کئی غیر مطبوعہ تحاریر اور مواد پڑھنے کو ملا جو مصنف کی فکری بالیدگی اور تحقیق کی شدید جستجو کو ظاہر کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں برادرِ محترم جناب قسور عباس حیدری صاحب کی توفیقات پر شکر بجا لاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ مصنف کی مدد فرمائے اور انہیں علم وعمل کے بلند مقام پر فائز فرمائے۔

وهو حسبنا و نعم الوكيل والحمد لله رب العالمين

سیّد علی عمران بخاری
بتاریخ 23 شوال المکرم 1441 ہجری

تقریظ اَز استاد محترم محقق علامہ جناب سید جری حیدر زیدی مدظلہ العالی

بخدمت جناب برادر عزیز قسور عباس صاحب!

برادر عزیز آپ کا رسالہ **فدک** کے موضوع پر ملاحظہ کیا اور اس کو چیدہ چیدہ مقامات سے پڑھنے کا اتفاق ہوا، اور عوام الناس کے لئے اس کو نافع پایا۔ حقیقت یہ ہے اس موضوع پر قدیم سے لے کر اَب تک فریقین (سُنی اور شیعہ) کی جانب سے کچھ نہ کچھ لکھا جا رہا ہے بہر حال قدیم زمانہ میں علمائے اہلِ سنت کا **فدک** کے معاملہ کو سلجھانا مختلف طریقہ سے ہوتا تھا اور وہ عموماً کہا کرتے تھے کہ جناب زہراؑ بہر حال غضبناک ہوئی تھی لیکن یہ غصہ ہونا بشری تقاضوں کی وجہ سے تھا اور **فدک** و دیگر زمینوں کی وراثت میں ان کا حق اس وجہ سے نہیں بنتا تھا کیونکہ ابوبکر کی نقل کردہ روایت کے مطابق انبیاء کی وراثت کا حقدار دیگر ورثاء نہیں ہوتے۔

اِس پر علمائے شیعہ ان کو مختلف جہت سے جواب دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان جوابات کی مضبوطی تھی کہ اب معاملہ ہی فریق مقابل نے بدل دیا اور کہا جانے لگا کہ فدک پر بالاخص اور خیبر و دیگر زمینوں پر بالعموم سیدہ زہراؑ کا کوئی حق بن ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ تمام زمینیں تو وقف تھیں اور

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقط اس کے ٹرسٹی تھے اور ٹرسٹی کی وفات کے بعد اس کے ورثاء اس کا حق دار ہی نہیں بنتے۔

مزید یہ کہ جہاں تک سیّدہ زہراء سلام اللہ علیہا کے غضبناک ہونے کا معاملہ تھا تو ان روایات میں غصہ ہونے والے الفاظ کو مدرج کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کی گئی اور ساتھ ساتھ کچھ چیزوں کا مزید ارتقاء دیکھنے کو ملا۔ ان جدید اشکالات کے جوابات پر ایک مختصر رسالہ لکھنا ضروری تھا تا کہ عوام کے ذہن میں جو جو ممکنہ خدشات ابھر رہے ہیں یا ابھر سکتے ہوں اُن تمام کا سد باب ہو سکے۔

اس ذمہ داری کا احساس جو برادرِ عزیز آپ نے کیا اور پھر ایک مختصر رسالہ قلمبند کیا تو اس پر آپ لائق شکر ہیں،

خداوند متعال کی بارگاہ مَیں دعا گو ہوں کہ بحق اہلِ بیت علیہم السلام آپ کو اس قلمی کاوش کے بدلے جزائے خیر دے اور آپکو یونہی خدمت آل محمد علیہم السلام کرنے کی توفیق دیتا رہے۔

احقر العباد

سید جری حیدر زیدی (خیر طلب)

عرضِ مؤلف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمام تعریفیں اُس اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور اُس پاک ذات کے اِدراک سے دنیا قاصر رہی جو تمام دلوں کے حال جانتا ہے اور تمام جن وانس اور تمام کائنات کو پالتا ہے اور لاکھ لاکھ شکر ہے اُس پاک ذات کا جس نے ہمارے دلوں کو محمدؐ وآلِ محمدؑ کی محبت سے سرشار کیا اور اُن کی محبت کو ہمارے ایمان کا حصہ بنایا کہ تمام فضائل بیان کرنے والے تھک گئے لیکن محمدؐ وآلِ محمدؑ کے فضائل کی بلندیوں کا اِدراک نہ کر سکے اور حمد ہے اُس ذات کی کہ جو محمدؐ وآلِ محمدؑ کی بھی خالق ہے۔

ہم اللہ کا جتنا شکر اَدا کریں کم ہے اُس نے ہمیں جناب رسولِ خداؐ کے اُمتیوں میں پیدا کیا اور جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے لے کر امام مہدی آخر الزمان عجل اللہ فرجہ الشریف تک ہمیں بارہ آئمہ جیسے رہبر اور ہادی عطا کئے تا کہ ہم اُن سے ہدایت ورہنمائی حاصل کرسکیں۔

یہ کتاب جو کہ عنوان **"تحقیق قضیہ فدک"** سے ہم نے لکھی ہے یہ اُن تمام کُتب سے امتیاز رکھتی ہے جو اِس سے قبل فدک کے موضوع پر لکھی جا چکی ہیں کیونکہ اِس میں ہم نے جملہ اعتراضات نقل کئے ہیں جو کہ مخالفین کی طرف سے کئے

جاتے ہیں کیونکہ فدک کے مسئلہ پر ہم نے کافی ساری کتب کا مطالعہ بھی کیا اور کافی ساری تقاریر بھی سماعت کیں تو ہم نے سوچا کہ ایک ایسی کتاب لکھی جائے کہ جس میں روایات کی اسناد پر بحث ہو، اس کے راویان پر بحث کی جائے، روایات کے متن پر ہونے والے جملہ اعتراضات کے جوابات دیئے جائیں، اصولِ حدیث اور اصولِ جرح وتعدیل کی روشنی میں اہلِ تشیع کے موقف کو ثابت کیا جائے مطلب کہ یہ کتاب جملہ اعتراضات اور اُن کے مدلل جوابات کا مجموعہ ہے اس کتاب میں جن جن کتب کے حوالہ جات ہم نے جمع کئے ہیں اُس میں ہر طرح سے یا جو اِس کتاب کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش میں ہمارے معاون رہے اللہ پاک اُن برادران کی توفیقات میں اضافہ کرے اور اُن کی جملہ مشکلات کو آسان کرے۔

اِس کتاب میں ہم نے تین ابواب قائم کئے ہیں پہلے باب میں ہم نے کچھ مقدمات بنائے ہیں جن کی آگے جا کے ابحاث میں ضرورت تھی تو یہ ہم نے شروع میں بنا دیئے تا کہ آگے ابحاث میں تسلسل قائم رکھنے میں آسانی ہو۔

دوسرا باب ہبہ سے متعلق ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک جناب سیدہ ؑ کو ہبہ کر دیا تھا اِس پر روایات نقل کر کے اُن کی اسنادی بحث کی گئی ہے اور ان پر کئے جانے والے اعتراجات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

تیسرا باب جناب سیدہ ؑ کے دعویٰ وراثت سے متعلق ہے اور اس پر کئے جانے والے جملہ اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں اس کے بعد ہم نے ان دلائل وبراہین کی روشنی میں چند سوالات اسی موضوع فدک کے پیشِ نظر کئے ہیں۔

اِس کتاب میں اِس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ اہلِ سنت کے مقدسات کی توہین نہ ہو اِس لیے ہم نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ الفاظ کے چناؤ کا خاص خیال رکھا جائے۔

ہمیں اُمید ہے کہ قارئین کرام اِس کتاب کو پڑھ کر حق کو سمجھ پائیں گے اور حق کی طرف راغب ہوں گے۔

خاکپائے محمدؐ وآلِ محمدؑ وسادات:

قسور عباس حیدری

باب نمبر : 1

اِس باب میں ہم نے کچھ مقدمات بنائے ہیں جو آگے جا کے ابحاث میں مفید ثابت ہوں گے۔

مقدمہ نمبر 1 :

قاعدہ تصحیح و تحسین

اِس مقدمہ کے تحت ہم دلائل نقل کر رہے ہیں کہ جب کسی روایت کی سند کو صحیح یا حسن کہا جاتا ہے تو اصل میں وہ اس سند میں موجود راویوں کی توثیق ہوتی ہے جس پر علماءِ اہلِ سنت کی تصریحات موجود ہیں ہم فقط 15 پر اکتفاء کرتے ہیں۔

(1)۔ امام ابن ملقن الشافعی لکھتے ہیں :

الحسن بن محمد بن عبيد الله . . . وقال غيره فيه جهالة ماروى عنده سوى ابن خنيس وجزم بهذا الذهبي في المغني فقال لايعرف لكن صحح الحاكم كما ترى و كذا ابن حبان وهو مؤذن بمعرفته وثقه.

حسن بن محمد بن عبید اللہ اور علماء نے کہا کہ یہ مجہول ہے کیونکہ اس سے ابن خنیس کے سوا کسی نے روایت نہیں کی اور امام ذہبی نے المغنی میں یقین سے کہا کہ یہ معروف نہیں لیکن حاکم اور ابن حبان نے اِس (کی روایت کی) تصیح کی ہے جو اس کی معرفت اور توثیق کو پکار رہی ہے۔(البدر المنیر جلد 4 صفحہ 269)

(2)۔ امام ترکمانی لکھتے ہیں :

ابن عیاش اذاروی عن الشامیین حدیثا صحیحا ۔ اخرج ابو داؤد هذا الحدیث وسکت عنه و هو حسن عنده و قد صحح الترمذی لابن عیاش عدة احادیث عن اهلِ بلده ۔

ابن عیاش کی شامیوں سے روایت صحیح ہے اور ابوداؤد نے اس کی حدیث کو نقل کیا اور اس پر خاموش رہے جو اُن کے نزدیک حسن ہونے کی دلیل ہے اور ترمذی نے بھی ابن عیاش کی روایات کو صحیح کہا ہے (جو اس کی توثیق کی دلیل ہے)

(السنن الکبریٰ للبیہقی جلد 9 صفحہ 547 حاشیہ)

(3)۔ امام بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں :

الاسود بن ثعلبه الشامی ۔ ۔ قال ابن حزم مجهول قلت لیس کذلك فان ابن حبان ذکره فی الثقات وصحح الحاکم حدیثه ۔

اسود بن ثعلبہ شامی کے متعلق ابن حزم کہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے لیکن ایسا نہیں ہے پس ابن حبان نے اس کو ثقات میں لکھا ہے اور حاکم نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(معانی الاخیار، جلد 1 صفحہ 69 طبع بیروت)

(4)۔ امام مغلطائی لکھتے ہیں :

للاختلاف فی حال کثیر فانه ممن صحح له الترمذی حدیثا

کثیر نامی راوی کے بارے میں اختلاف ہے پس ترمذی نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (شرح سنن ابن ماجہ جلد 1 صفحہ 309)

(5)۔ امام زیلعی حنفی لکھتے ہیں :

قال الشیخ تقی الدین فی الامام و من العجب کون ابن القطان لم یکتف بتصحیح الترمذی فی معرفة حال عمرو بن بجدان مع تفرده بالحدیث وهو قد نقل کلامه هذا حدیث حسن صحیح و ای فرق بین ان یقول هو ثقه او یصحح له حدیثا انفرد به ؟

شیخ تقی الدین کتاب الامام میں کہتے ہیں کہ اِس بات پہ عجب ہے کہ اِبن القطان کے لئے ترمذی کا یہ قول کافی نہیں ہے کہ انہوں نے عمرو بن بجدان کی معرفت کے لئے اس کی منفرد حدیث کو حسن صحیح کہا اور اس میں کیا فرق ہے کہ کسی راوی کی منفرد حدیث کو صحیح کہا جائے یا اُس راوی کو ثقہ کہا جائے ؟

(نصب الرایہ ، جلد 1 صفحہ 149)

(6)۔ امام الجرح والتعدیل شمس الدین الذہبی فرماتے ہیں :

قال ابن القطان لم تثبت عدالته و صحح حدیثه ابن المنذر وابن حزم و غیرهما فذلك توثیق له۔

اِبن قطان (کسی راوی کے بارے میں) کہتے ہیں کہ اس کی عدالت ثابت نہیں جبکہ اِبن منذر اور اِبن حزم نے اس کی حدیث کو صحیح کہا جو کہ اس کی توثیق ہے۔

(الکاشف صفحہ 25 لاامام الذہبی)

(7)۔ امام اِبن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

اخرجه الضیاء فی المختاره و مقتضاه ان یکون عبیدالله عند

ثقہ۔

امام ضیاء الدین مقدسی نے الاحادیث المختارہ میں عبید اللہ کی روایت نقل کی ہے جو اس بات کا تقاضہ ہے کہ مذکورہ راوی ان کے نزدیک ثقہ ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد 3، صفحہ 28 تحت رقم عبید اللہ بن مغیرہ)

(8)۔ ابن حجر عسقلانی ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

عبداللہ بن عتبہ بن ابی سفیان ۔ ۔ ۔ اخرج ابن خزیمہ حدیث فی صحیحہ فھو ثقہ عندہ۔

ابن خزیمہ نے مذکورہ راوی کی حدیث اپنی صحیح میں نقل کی ہے پس یہ راوی ان کے نزدیک ثقہ ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد 3 صفحہ 202)

(9)۔ ابن حجر عسقلانی ہی ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

قول الترمذی : حسن غریب بأن الموصوف بہ صدوق عندہ ...وقال الترمذی حسن غریب وھذا یقتضی عندہ صدوق معروف۔

ترمذی کا کہنا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ راوی ان کے نزدیک صدوق ہے اور ترمذی کا حسن غریب کہنا اِسی بات کا تقاضہ ہے کہ ان کے نزدیک وہ راوی (جو اس سند میں ہے) ان کے نزدیک صدوق اور معروف ہے۔

(تعجیل المنفعۃ جلد 1 صفحہ 110)

(10)۔ امام شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں :

وفی تصحیح الترمذی ایاہ توثیقھا۔
اور اِس پر ترمذی نے (حدیث کو) صحیح کہا ہے جو کہ (اس سند میں موجود راویوں کی) توثیق ہے۔ (الکاشف صفحہ 24)

(11)۔ امام اہلِ حدیث ناصر الدین البانی لکھتے ہیں :

وکذلک وثقہ کل من صحح حدیثہ اما باخراجہ ایاہ فی الصحیح کمسلم وابی عوانہ او بالنص علی صحتہ کالترمذی۔
اور اِسی طرح جو علماء کسی راوی کی حدیث کو صحیح کہتے ہیں دراصل وہ راوی کی توثیق کرتے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم اور مستخرج ابی عوانہ میں حدیث نقل ہو یا نص کے ساتھ اس کی حدیث کو صحیح کہیں جیسا کہ ترمذی کی تصحیح۔

(سلسلہ احادیث الصحیحہ جلد 7 صفحہ 16 طبع ریاض)

(12)۔ امام تقی الدین ابن دقیق فرماتے ہیں :

ولمعرفة کون الراوی ثقہ طرق منھا ۔۔ ومنھا تخریج الشیخین اواحدھما فی الصحیح للراوی محتجین بہ اور ثقہ راوی کی معرفت کے لئے جو طریقہ ہیں ان میں سے ایک ہے کہ شیخین یعنی بخاری و مسلم کا راوی ہو یا ان میں سے کوئی ایک اس کی روایت نقل کرے یا علماء اس کی روایات سے احتجاج کریں۔

(الاقتراح فی بیان الاصطلاح صفحہ 52,53)

(13)۔ امام اِبن عبدالبر فرماتے ہیں :

وقد تکلم البخاری فی احادیث سلیمان بن موسٰی وطعن فیھا

انفردبه منها واكثر اهل العلم يصححون حديثه بانه امام من آئمة اهل الشام و فقيه من جلة فقائهم۔

اور بخاری نے سلیمان بن موسیٰ کی احادیث جن میں یہ منفرد ہو پر کلام کیا ہے اور اکثر اہلِ علم نے اس کی احادیث کو صحیح کہا ہے (جو اس کی توثیق پر دال ہے) جس وجہ سے وہ شام کے آئمہ میں سے ایک امام اور اعلیٰ فقہاء میں سے ایک فقیہہ ہے۔

(الاستذکار جلد 5 صفحہ 67 طبع بیروت)

(14)۔ امام عبدالہادی الدمشقی صالحی لکھتے ہیں :

و قد احتج بحديث قيس عن ابيه النسائى وصححه ابوحاتم البستى وحسنه الترمذى۔

اور قیس کی روایت سے نسائی نے استدلال کیا ہے اور ابوحاتم البستی نے اس کی روایت کو صحیح کہا اور ترمذی نے اس کی روایت کو حسن کہا (جو کہ اس کی توثیق کی دلیل ہے)

(شرح علل لابن ابی حاتم صفحہ 375)

(15)۔ امام زیلعی حنفی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :

قال ابن القطان اسناده صحيح لاتصاله وثقة رواته ۔

اِبن قطان نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے کہ اس کے اتصال اور راویوں کی توثیق ہے۔

(نصب الرایہ جلد 1 صفحہ 72)

لہٰذا یہ چیز اہلِ سنت کے ہاں رَاجح ثابت ہوتی ہے کہ کسی روایت کو حسن یا صحیح کہنے سے اُس روایت کے راویوں کی توثیق لازم آتی ہے۔

مقدمہ نمبر 2 :

بدعتی راوی کی روایت اپنے حق میں

دوسرے نمبر پر ہم یہ مقدمہ بنا رہے ہیں کہ اگر راوی اہلِ سنت کے ہاں بدعتی ہو اور وہ اپنی بدعت کے حق میں روایت کرے تو وہ قابلِ قبول ہوتی ہے نا کہ مردود جیسا کہ اس پر دلائل موجود ہیں۔

(1)۔ امام ابوبکر خطیب بغدادی نے پورا ایک باب قائم کیا ہے کہ باب ماجاء فی الاخذ عن اہل البدع والاھواء والاحتجاج بروایاتھم ۔یعنی جو اہلِ بدعت اور بدمذہب راویوں سے اخذ کرتے ہیں اور اُن کی روایات سے احتجاج کرتے ہیں اس بات میں سرفہرست امام شافعی، ابن ابی لیلیٰ، سفیان الثوری اور قاضی ابو یوسف ہیں کہ یہ بدعتیوں اور بد مذہب کی روایات لیتے ہیں چاہے وہ ان بدعتیوں کے عقیدہ کے موافق ہوں سوائے فرقہ خطابیہ کے۔

(کتاب الکفایہ صفحہ 120)

(2)۔امام سخاوی لکھتے ہیں :

قال الخطیب وحکی ایضا ان ھذا مذھب ابن ابی لیلیٰ و سفیان الثوری ونحوہ عن ابی حنیفہ بل حکاہ الحاکم فی المدخل عن اکثر آئمۃ الحدیث وقال الفخر الرازق فی المحصول انہ الحق ورجعہ ابن دقیق العید وقبل قبل مطلقا سواء الداعیہ وغیرہ۔

خطیب بغدادی، ابن ابی لیلی ، سفیان الثوری، ابوحنیفہ ، حاکم نے مدخل میں

اکثر آئمہ حدیث سے اور فخر الدین رازی سے محصول میں اور ابن دقیق نے بھی کہا ہے کہ بدعتی کی روایت مطلقا قبول ہے چاہے وہ بدعت کا داعی (دعوت دینے والا) ہو یا غیر داعی۔

(فتح المغیث جلد 1 صفحہ 329)

(3)۔ امام بلقینی لکھتے ہیں :

قد خرج البخاری و مسلم عن جماعة قد قیل انهم دعاة . فمن ذلك ان البخاری خرج لعمران بن حطان الخارجی مادح عبدالرحمن بن ملجم قاتل علی ابن ابی طالب وهذا من اکبر الدعوة الی البدعة و خرج الشیخان لعبد الحمید بن عبد الرحمن الحمانی وقد قال ابو دؤد السجستانی کان داعیة الارجاء فالا قرب انه لا فرق.

بخاری و مسلم نے ایک جماعت سے روایات لی ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ بدعت کے داعی تھے جیسا کہ عمران بن حطان خارجی سے بخاری نے روایات لی ہیں جو کہ مولا علیؑ کے قاتل عبدالرحمن ملجم (لع) کی مدح کیا کرتا تھا (معاذ اللہ) جو کہ سب سے بڑی دعوت ہے بدعت کی طرف اسی طرح بخاری مسلم نے عبدالحمید سے روایات لی ہیں جو کہ ارجاء (ایک مذہب) کا داعی تھا پس اقرب یہ ہے کہ ان (بخاری مسلم) کے ہاں کوئی فرق نہیں (کہ بدعتی اپنی بدعت کا داعی ہو یا نہ ہو)

(محاسن الاصطلاح علی الحاشیہ مقدمہ ابن الصلاح صفحہ 299)

(4)۔ شیخ احمد محمد شاکر فرماتے ہیں :

و العبرۃ فی الروایۃ بصدق الراوی وامانتہ والثقہ بدینہ و خلقہ . والمتتبع لاحوال الرواۃ یری کثیرا من اھل البدع موضعا للثقہ والاطمینان وان رووا ما یوافق رایھم .

روایت میں راوی کا اعتبار اُس کے صدق امانت اور دین میں اس کی توثیق اور خُلق سے دیکھا جاتا ہے اسی کو مدِنظر رکھتے ہوئے راویوں کے حالات جو کہ اہلِ بدعت میں سے ہیں کو بری کرتی ہے کہ وہ ثقہ اور قابلِ اطمینان ہے پھر چاہے وہ روایت اس راوی کی بدعت کے موافق ہو۔

(الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث صفحہ 95)

(5)۔ ابوالمنذر محمود المنیاوی لکھتے ہیں :

القول الثالث : ان البدعۃ لا توثر علی الراوی اذاثبت انہ حافظ ضابط وصادق لیس بکاذب وھذا قول الجمھور النقاد. جمھور المتقدمین وعلی راسھم الامام علی بن المدینی ویحی بن معین و یحی بن سعید القطان وغیرھم وعلی ھذا المذھب البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وغیرھم من اھل العلم بالحدیث و من ذلک ان مسلم بن حجاج خرج من طریق عدی بن ثابت عن زر بن جیش عن علی ابن ابی طالب انہ لعھد النبی الامی الا انہ لا یحبک الا مومن ولا یبغضک الا منافق وعدی بن ثابت

موصوف بانہ قاص الشیعہ ولا شك ان ھذا الحدیث قد یکون فیہ تایید لبدعتہ ....فاقول ان القول الثالث ھو القول الصحیح۔

تیسرا قول : بدعت راوی پر کوئی تاثر نہیں رکھتی جبکہ راوی حافظ، ضابط اور صادق ہو اور جھوٹا نہ ہو اور یہ جمہور ناقدین، جمہور متقدمین اور ان سے پہلوں کا قول ہے جیسا کہ امام علی بن مدینی، یحی بن معین، یحی بن سعید القطان اور اُن کے علاوہ بھی اور یہی مذہب بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی اور اُن کے علاوہ علماء کا ہے اور اس میں سے (ایک مثال) ہے کہ امام مسلم نے صحیح میں عدی بن ثابت کی سند سے زر بن جیش اور انہوں نے علی ابن ابی طالب سے روایت کیا کہ مولا علیؑ نے فرمایا کہ نبیؐ نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ اے علیؑ تجھ سے محبت نہیں رکھے گا مگر مومن اور تجھ سے بغض نہیں رکھے گا مگر منافق اب اس کی سند میں عدی بن ثابت شیعہ ہے اور یہ حدیث بھی اس کی تائید میں ہے پس مَیں یہ کہتا ہوں کہ یہی تیسرا قول صحیح ہے (کہ بدعتی کی روایت مطلقاً قبول ہے)

(شرح الموقظہ فی علم مصطلح الحدیث صفحہ 17 لابی منذر محمود المنیاوی)

(6)۔ شیخ عبدالرحمن المعلمی فرماتے ہیں :

ھذا وقد وثق آئمۃ الحدیث جماعۃ من المبتدیہ واحتجوا باحادیثھم واخرجوھا فی الصحاح ومن تتبع روایاتھم وجد فیھا کثیرا مما یوافق ظاھرہ بدعھم واھل العلم یتاولون تلك

الاحادیث غیر طاعنین فیھا ببدعة راویھا ولا فی راویھا بروایة لھا بل فی روایة جماعة منھم احادیث ظاھرہ جدا فی موافقه بدعھم.

حدیث کے اماموں نے راویوں کی جماعت کی توثیق کی ہے اور اُن کی احادیث سے احتجاج (استدلال) کیا ہے اور اُن کی روایات کو صحاح میں نقل کیا ہے اور انہی کی روایات کی متابعت (یعنی بعد والے علماء اُن کے تابع ہیں) کی گئی ہے اور ظاہراً وہ روایات اُن کی بدعت کے موافق ہیں اور اہلِ علم نے ان احادیث کو لیا ہے اور ان پر کوئی طعن نہیں کئے۔۔۔ بلکہ راویوں کی جماعت جن کی روایات ظاہراً اُن کی بدعت کے موافق ہیں ان سے بھی روایات لی گئی ہیں۔

(التنکیل جلد 1 صفحہ 237)

(7)۔ علامہ طاہر الجزائری دمشقی لکھتے ہیں :

عدی بن ثابت ...قلت احتج به الجماعة وما اخرج له فی الصحیح شیء مما یقوی بدعته.

عدی بن ثابت ۔۔۔ مَیں کہتا ہوں کہ اِس راوی سے ایک جماعت نے اِستدلال کیا ہے اور اُس کی احادیث کو صحیح میں نقل کیا ہے جو کہ اس کی بدعت کو مزید قوی کر رہی ہیں۔

(توجیہ النظر الی اصول الاثر جلد 1 صفحہ 415)

(8)۔ امام اہلِ حدیث ناصرالدین البانی لکھتے ہیں :

لان العبرة فی روایة الحدیث انما هو الصدق والحفظ واما المذهب فهو بینه و بین ربه فهوحسیبه ولذلك نجد صاحبی الصحیحین وغیر هما قد اخر جو الكثیر من الثقات المخالفین كالخوارج والشیعه وغیرهم.

حدیث میں رایوں کا اعتبار فقط صدق اور حفظ ہے اور اُس کے مذہب کا معاملہ اُس کے ربّ کے بیچ ہے جیسا کہ صحیحین (بخاری مسلم) وغیرہ میں اُن کے مصنفین نے کثیر روایات ایسے رایوں سے لی ہیں جو ثقہ ہیں لیکن مخالفین میں سے ہیں جیسا کہ خوارج اور شیعہ اور اُن کے علاوہ بھی۔

(سلسلہ احادیث الصحیحہ جلد 5 صفحہ 262)

اَب ان آئمہ اہلِ سنت سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اگر راوی بدعتی ہو یا شیعہ ہو اور وہ اپنے حق میں بھی روایت نقل کرے۔

جیسا کہ فضائلِ محمدؐ وآلِ محمدؑ میں تو روایت مقبول ہے نا کہ مردود اور یہی بات عملی طور پر بھی ان کے علماء کے مابین پائی جاتی ہے۔

مقدمہ نمبر : 3

تابعی کی مرسل روایت مقبول ہے

مرسل وہ حدیث ہوتی ہے کہ جس کی سند کے آخر سے راوی غائب ہو یعنی سند مکمل واقعہ تک نہ جاتی ہو مثلاً تابعی نے نبیؐ کا زمانہ نہیں دیکھا تو اگر وہ تابعی نبیؐ کے دور کا کوئی واقعہ نقل کرے تو اُسے مرسل کہا جائے گا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ سنت کے ہاں اصول ہے کہ تابعی کی مرسل روایت حجت ہے اور صحیح ہے۔

(1)۔ امام احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں :

مرسل ہمارے اور جمہور آئمہ کے نزدیک حجت ہے

(فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ 187، اُردو)

(2)۔ ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں :

مرسل التابعی حجة عند الجمهور۔

تابعی مرسل جمہور کے ہاں حجت ہے

(مرقاة شرح مشکوة جلد 9 صفحہ 434 طبع بیروت).

(3)۔ امام ذہبی لکھتے ہیں :

فان المرسل اذا صح الی تابعی کبیر فهو حجة عند خلق الفقهاء۔

مرسل جو کہ تابعی کبیر تک صحیح ہو وہ فقہاء کی بہت بڑی جماعت کے ہاں حجت ہے۔

(الموقظة فی مصطلح الحدیث صفحہ 26)

(4)۔ جمال الدین قاسمی لکھتے ہیں :

المرسل حجة مطلقا نقل عن مالك وابی حنیفه واحمد فی روایة حکاها النووی وابن القیم وابن کثیر وغیر هم....ونقله الغزالی عن الجماهیر ..عن ابن الجریر اجمع التابعون باسرهم علی قبول المرسل ..قال ابو داؤد فی رسالة واما المرسیل و قد کان اکثر العلماء یحتجون بها فیما مضی مثل سفیان الثوری و مالك والاوزاعی ...

مرسل مطلقا حجت ہے پس امام مالک، ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل سے ایسا ہی نقل ہوا ہے اور امام نووی، ابن قیم اور اِبن کثیر نے بھی یہ حکایت کیا ہے اور امام غزالی نے بھی اسے جمہور کا قول کہا ہے اور اِبن جریر الطبری نے تابعین کا مرسل کے مقبول ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور ابوداوٗد نے اپنے رسالہ میں لکھا کہ اکثر علماء مرسل سے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ سفیان ثوری، امام مالک اور امام اوزاعی ۔۔۔

(قواعد التحدیث صفحہ 134)

(5)۔ امام حاکم نیشاپوری لکھتے ہیں :

فان مشائخ الحدیث لم یختلفوا ان الحدیث المرسل هو الذی یرویه المحدث باسانید متصله الی التابعی فیقول التابعی قال رسول الله۔

پس حدیث کے علماء نے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیا کہ محدث متصل سند کے ساتھ

تابعی سے روایت نقل کرے اور تابعی کہے کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا۔۔۔

(معرفت علوم الحدیث صفحہ 167)

(6)۔ مولانا امین صفدر اوکاڑوی دیوبندی لکھتے ہیں :

قرونِ ثلاثہ (صحابہ کا زمانہ، تابعین کا زمانہ اور تبع تابعین کا زمانہ) کی مرسل ہمارے نزدیک مطلقا مقبول ہے۔ (انوارات صفدر صفحہ 287 اُردو)

(7)۔ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں :

والمرسل عندنا وعند جمهور العلماء حجة.

اور مرسل ہمارے (حنفیوں) اور جمہور علماء کے نزدیک حجت ہے۔

(فتح القدیر جلد 1 صفحہ 42 طبع بیروت)

(8)۔ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں :

وقد استدل كثير من الفقهاء بالمرسل وهو الذى ذكى اصحابنا انه الصحيح عن الامام احمد وهو قول ابى حنيفه واصحابه واصحاب مالك ايضا..

اور فقہا کی کثیر تعداد نے مرسل سے استدلال کیا ہے جس کو ہمارے علماء نے بھی ذکر کیا اور اس کو امام احمد نے صحیح کہا ہے اور یہی قول ابوحنیفہ اور ان کے تابع علماء کا ہے اور مالکی علماء کا بھی۔ (شرح علل الترمذی جلد 1 صفحہ 543 طبع ریاض)

(9)۔ حافظ ظہور احمد حسینی دیوبندی لکھتے ہیں :

مرسل روایت عند الجمہور حجت ہے۔

(رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ صفحہ 60 اُردو)

(10)۔ مولانا خیر محمد جالندھری دیوبندی لکھتے ہیں :

مرسل کے قبول وعدم قبول کا آئمہ کا اختلاف ہے امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ مطلقاً مقبول ہے لہٰذا ان حضرات کے مسلک کی بنا پر تو اس اثر کا مرسل ہونا کچھ مضر نہیں ہے۔

(خیر المصابیح فی عدد التراویح صفحہ 23 اُردو)

تو ہم یہاں فقط 10 کتب پر اکتفاء کرتے ہیں
لیکن ان میں کافی سارے علماء آ گئے کہ جو مرسل روایت کو حجت اور صحیح مانتے ہیں۔

مقدمہ نمبر : 4

قرونِ ثلاثہ میں جہالت مضر نہیں

قرونِ ثلاثہ مطلب صحابہ کا قرن، تابعین کا قرن اور تبع تابعین کا قرن ان تینوں زمانوں کو قرونِ ثلاثہ کہا جاتا ہے اب اہلِ سنت کے ہاں ایک اصول پایا جاتا ہے کہ قرون ثلاثہ میں اگر راوی (راوی سے مراد صحابی، تابعی یا تبع تابعی) مجہول یعنی نا معلوم ہو، نا اس کو کسی نے ثقہ کہا نا ضعیف کہا ہو تو اس کو رد نہیں کیا جاتا بلکہ مقبول کہا جاتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے بسند صحیح فی البخاری کے ہمارا زمانہ سب سے بہتر ہے (صحابہ کا) پھر اس کے بعد زمانہ (تابعین کا) اور پھر اس کے بعد کا زمانہ (تبع تابعین کا) لہذا بقولِ علماء اہلِ سنت ان قرونِ ثلاثہ کی تعدیل خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردی ہے۔

اب ہم علماء اہل سنت کے اقوال پیش کرتے ہیں۔

(1)۔ ڈاکٹر محمد علی قاسم العمری لکھتے ہیں :

ان بعض العلماء مختلفون فی قبول روایة المجهول . . فاخذ بعضهم بشروط کالحنیفه الذین ارتاوا قبول روایته ان کان من اهل القرون الثلاثه الاولی .

بعض علماء مجہول راوی کی روایت کو قبول کرنے پر اختلاف کرتے ہیں۔۔پس بعض کچھ شرائط کے ساتھ مجہول راوی سے روایات اخذ کرتے ہیں جیسے کہ حنفی، وہ ان کی روایات کو قبول کرتے ہیں کہ اگر وہ راوی قرونِ ثلاثہ اولی میں سے ہو۔

(دراسات فی منہج النقد عند المحدثین صفحہ 134)

(2)۔ ظفر احمد عثمانی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں :

جہالۃ الرواۃ فی القرون الثلاثہ لا تضرنا۔

قرونِ ثلاثہ میں راویوں کا مجہول ہونا ہمیں نقصان نہیں دیتا (یعنی مطلقاً مقبول ہے)

(اعلاء السنن جلد 8 صفحہ 295 طبع کراچی)

(3)۔ محقق محمد مختار بن محمد امین شنقیطی لکھتے ہیں :

قال السرخسی وقلنا نحن المجہول من القرون الثلاثہ عدل بتعدیل صاحب الشرع ایاہ مالم یتبین منہ مایزیل عدالتہ فیکون خبرہ حجۃ ۔۔۔

امام سرخسی کہتے ہیں کہ ہم کہتے ہیں کہ مجہول قرونِ ثلاثہ میں عادل ہے جیسا کہ صاحب شرع (نبی پاکؐ) نے ان کی تعدیل کی ہے پھر چاہے اس کے حالات ظاہر نہ ہوں پس یہ اس کی عدالت زائل نہیں کرتے پس اس کی روایت حجت ہے۔

(حاشیہ مراقی السعود صفحہ 281 طبع قاہرہ)

(4)۔ ڈاکٹر رفعت فوزی عبد المطلب لکھتے ہیں :

ویری الحنفیہ ان خبر المجہول فی القرون الثلاثہ الاولی حجۃ۔

حنفیوں کے مطابق مجہول راوی کی روایت اوّلین حجت ہے جب راوی قرونِ ثلاثہ میں سے ہو۔

(توثیق السنۃ فی القرن الثانی الہجری صفحہ 155 طبع مصر)

(5)۔ محدث الفقیہ شیخ محمد ہاشم سندھی ٹھٹوی لکھتے ہیں :

فجہا لۃ حال الرجل فی القرون الثلاثہ لا تضر

عند الحنفیہ و تکون محمولۃ علی العدالۃ بشھادۃ النبیؐ

پس قرونِ ثلاثہ میں راوی کا مجہول الحال ہونا حنفیوں کے نزدیک نقصان دہ نہیں اور اس کو عدالتِ راوی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ جناب رسول خداؐ نے اس کی شہادت دی ہے۔

(ترصیح الدرۃ علی درہم الصرۃ صفحہ 81 طبع پاکستان)

(6)۔ امام ابوبکر السرخسی لکھتے ہیں :

المجھول من القرون الثالثہ عدل بتعدیل صاحب الشر

ع ایاہ مالم یتبین منہ مایزیل عدالتہ فیکون خبرہ حجۃ . . .

مجہول قرونِ ثلاثہ میں عادل ہے جیسا کہ صاحب شرع (نبی پاکؐ) نے ان کی تعدیل کی ہے پھر چاہے اس کے حالات ظاہر ہوں پس یہ اس کی عدالت زائل نہیں کرتے پس اس کی روایت حجت ہے۔

(اصولِ السرخسی جلد 1 صفحہ 352 طبع حیدر آباد)

(7)۔ علامہ امین صفدر اوکاڑوی دیوبندی لکھتے ہیں :

خیرالقرون میں مجہول راوی ہمارے ہاں حجت ہے۔

(انوارات صفدر صفحہ 324 اُردو)

(8)۔ امام احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں :

مَیں کہتا ہوں عباس (راوی) ثقہ ہے زیادہ سے زیادہ اس میں جہالت عین [1] پائی جاتی ہے اور یہ ہمارے نزدیک مضر (نقصان دہ) نہیں ہے خصوصاً اکابر تابعین میں۔ مسلم (الثبوت مع شرح فواتح الرموت) میں ہے کہ یہ کوئی جرح نہیں ہے کہ فلاں سے ایک ہی راوی (روایت کر رہا ہے) اور وہ اصطلاحی طور پر مجہول العین ہے۔

(فتاوٰی رضویہ جلد 5 صفحہ 151 اُردو)

ایک اور جگہ امام احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں :

مجہول العین کا قبول ہی مذہب محققین ہے۔۔۔قول مقبول یہ ہے کہ مستور و مجہول العین دونوں حجت۔۔غالباً مطلق مجہول سے مراد مجہول العین [1] ہوتا ہے۔

(فتاوٰی رضویہ جلد 5 صفحہ 599 اُردو ترجمہ)

لہٰذا ان دلائل سے ثابت ہے کہ احناف کے ہاں قرونِ ثلاثہ میں کسی راوی کا مجہول ہونا ضرر نہیں رکھتا بلکہ اس کی روایت مقبول ہے۔

---

[1] جہالت عین سے مراد مجہول العین راوی ہے اور مجہول العین وہ راوی ہوتا ہے جس کے بارے میں علماء سے توثیق یا تضعیف کا کوئی واضح قول نہ ملے اور اس راوی سے صرف ایک راوی نے ہی روایت کیا ہو۔

ملاحظہ ہوں تیسیر مصطلح الحدیث وغیرہ۔

مقدمہ نمبر: 5

مجتہد کا استدلال صحت کی دلیل ہے

اہلِ سنت کے ہاں یہ قاعدہ بھی راجح ہے کہ جب مجتہد (فقیہ، عالم یا محدث) کسی چیز سے استدلال کرتا ہے تو اُس مجتہد کے مطابق وہ چیز صحیح ہوتی ہے یعنی وہ مجتہد اس چیز سے دلیل پکڑتے ہوئے اس کی تصحیح کر رہا ہوتا ہے۔

اس پر دلائل پیش خدمت ہیں :

(1)۔ امام اِبن عابدین لکھتے ہیں :

المجتھد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا له۔

مجتہد جب حدیث سے استدلال کرتا ہے تو وہ اس حدیث کی تصحیح کر رہا ہوتا ہے۔

(ردالمختار جلد 7 صفحہ 83 طبع ریاض)

(2)۔ علامہ امین صفدر اوکاڑوی دیوبندی لکھتے ہیں :

مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرتا ہے تو یہ اُس کی صحت کی دلیل ہوتا ہے۔

(انوارات صفدر صفحہ 236 اُردو)

(3)۔ مولوی الیاس گھمن دیوبندی اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں :

حدیث کی تضعیف تصحیح وتضعیف پر موقوف نہیں بلکہ محدثین کا اصول ہے کہ اگر کسی حدیث سے مجتہد استدلال کرلے وہ حدیث صحیح شمار ہوتی ہے۔

(قافلہ حق صفحہ 48 جلد 6 شمارہ 4 اکتوبر، نومبر، دسمبر 2012)

(4)۔ امام اِبن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

وقد احتج بهذا الحديث احمد وابن المنذر وفی جزمهما بذلك دليل على صحته عندهما.

اور اِس حدیث سے احمد اور ابن منذر نے استدلال کیا ہے اور ان کے اس یقین سے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔

(تلخیص الجبیر جلد 2 صفحہ 285 طبع موسسہ قرطبہ)

(5)۔ امام ناصر الدین البانی اہلِ حدیث بھی اِسی قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے اِبن حجر عسقلانی کی عبارت سے استدلال کرتے ہیں جو کہ اوپر نمبر 4 نقل کی گئی۔

(ارواء الغلیل جلد 3 صفحہ 162)

(6)۔ علامہ ظفر احمد عثمانی تھانوی لکھتے ہیں :

قلت و كذا فی جزم كل مجتهد بحديث دليل على صحته عنده فافهم.

مَیں یہ کہتا ہوں کہ مجتہد یقین سے کسی حدیث سے دلیل قائم کرے تو وہ حدیث اس کے نزدیک صحیح ہوتی ہے پس اس کو سمجھ لو۔

(قواعد فی علوم الحدیث صفحہ 58 طبع بیروت)

یہاں یہ بات مکمل طور پر ثابت ہوتی ہے کہ کسی مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے قطع نظر اس کے کہ اس کی سند کے حالات کیسے ہیں۔

مقدمہ نمبر : 6

جرح فقط مفسر ہی قبول ہے

جرح وتعدیل کے اصولوں میں سے ایک اہم اور مسلمہ اصول ہے کہ کسی راوی پر جرح مبہم ہرگز قبول نہیں ہوتی بلکہ جرح مفسر ہی قبول ہوتی ہے مزید آسان الفاظ میں یہ کہ جب کسی راوی کو ضعیف کہا جائے تو اس کو ضعیف کہنے کی وجہ بیان کرنا ضروری ہوتا ہے اور اسی کو جرح مفسر کہتے ہیں اور یہ جرح قابل قبول ہوتی ہے اور اگر فقط ضعیف کہا جائے اور وجہ کچھ بھی نہ ہو تو وہ جرح مبہم ہوگی جو نا قابل قبول ہے۔

اَب ہم اس پہ علمائے اہلِ سنت کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

(1)۔ امام احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں :

ذہبی نے میزان میں کوئی جرح مفسران (راوی) کے حق میں نقل نہ کی (لہٰذا جرح مردود ہے)

(فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ 175 اُردو)

(2)۔ مفتی احمد یار خان نعیمی بھی یہی اقوال نقل کرتے ہیں کہ جرح مفسر مقبول ہے اور جرح مبہم مردود

(سعید الحق فی تخریج جاء الحق صفحہ 803 حصہ دوئم اُردو ترجمہ)

(3)۔ امام بدرالدین زرکشی لکھتے ہیں :

من تثبه برواية اهل العلم عنه وحملهم حديثه فليس يقبل فيه تجريح احد حتى يثبت عليه ذلك.

جس راوی کی عدالت ثابت ہو اُس کی احادیث کو لیا جاتا ہو پس اس پر کسی کی جرح قبول نہیں ہوگی جب تک اس جرح کو (مفسر) ثابت نہ کیا جائے۔

(البحر المحیط صفحہ 183)

(4)۔ امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

و امام کتب الجرح والتعدیل التی لایذکر فیھا سبب الجرح فاناوان لم تعتمدھا فی اثبات الجرح والحکم بہ۔

اور کوئی کسی راوی پر جرح اور تعدیل لکھتا ہے اور جرح کا سبب نہیں بیان کرتا تو اس کی جرح کے اثبات اور حکم پر اعتماد نہیں۔

(تدریب الراوی صفحہ 360 مکتبۃ الکوثر)

(5)۔ امام ذہبی لکھتے ہیں:

وقال الجمھور العلماء لایثبت الجرح الا مفسر امبین السبب... یقبل التعدیل من غیر ذکر سببہ۔

جمہور علماء کے مطابق جرح اس وقت تک قبول نہیں جب تک مفسر اور واضح سبب کے ساتھ نہ ہو جب کے تعدیل بغیر سبب کے ذکر کے بھی مقبول ہے۔

(الموقظہ فی مصطلح الحدیث صفحہ 65)

(6)۔ علامہ ظفر عثمانی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

لا یقبل الجرح المبھم و یقبل فیمن لم یوثقہ احد۔

جرح مبہم قابل قبول نہیں اور قبول اس صورت میں ہوگی جب اس راوی کی کسی ایک

نے بھی توثیق نہ کی ہو۔

(قواعد فی علوم الحدیث صفحہ 167 طبع بیروت)

(7)۔ امام المجتہد محمد بن ابراہیم وزیر لکھتے ہیں :

فلا یقبل الجرح اذا لم یکن کذلك.

پس جرح قابل قبول نہیں ہوگی جو اس (مفسر) کی طرح نہ ہو

(الروض الباسم صفحہ 164 طبع دار عالم الفوائد)

(8)۔ ڈاکٹر محمود الطحان لکھتے ہیں :

اما الجرح فلا یقبل الا مفسرا۔

جو جرح غیر مفسر ہو وہ قابل قبول نہیں

(تیسیر مصطلح الحدیث صفحہ 147)

(9)۔ مولوی تقی الدین مظاہری لکھتے ہیں :

جرح غیر مفسر قابل نہیں۔

(فن اسماء الرجال صفحہ 66 اردو)

یہی وجہ ہے کہ علماء اہل سنت لکھتے ہیں کہ تعدیل جرح مبہم پر مقدم ہے

علامہ تقی الدین لکھتے ہیں کہ تعدیل جرح مبہم پر مقدم ہے:

(فن اسماء الرجال صفحہ 66 اردو)

امام عبد الحی حنفی لکھنوی لکھتے ہیں کہ غیر مفسر جرحوں پر تعدیل مقدم ہے۔

(ظفر الامانی صفحہ 281)

جمال الدین قاسمی لکھتے ہیں کہ جمہور علماء تعدیل کو جرح پر مقدم جانتے ہیں۔

(قواعد التحدیث صفحہ 189)

علامہ ظفر عثمانی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں کہ تعدیل جرح مفسر پر مقدم ہے اور یہی جمہور علماء کا مذہب ہے (قواعد فی علوم الحدیث صفحہ 175)

امام عبدالوہاب الشعرانی لکھتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک تعدیل جرح پر مقدم ہے۔

(کتاب المیزان صفحہ 232)

ان دلائل سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جرح غیر مفسر یا جرح مبہم قابل قبول نہیں اور تعدیل اس پر مقدم ہوگی تو اب کوئی عالم کسی راوی کو ضعیف کہتا رہے لیکن اس کے ضعف کا سبب بیان کرے یا اس پر کی گئی جرح کو ثابت نہ کرے تو وہ جرح کسی کام کی نہ ہوگی بلکہ علماء کی تعدیل کے اقوال راجح ہوں گے۔

مقدمہ نمبر : 7

علماء متاخرین کی جرح مقبول نہیں

محدثین و محققین کے دو طبقات ہوتے ہیں

(1)۔ علماء متقدمین

(2)۔ علماء متاخرین

علماء متقدمین سے مراد پہلے علماء جنہوں نے اپنی اسناد سے احادیث جمع کیں یا اپنی اسناد سے یا اپنی کوشش سے راویانِ حدیث پر اقوال اکٹھے کئے اور علماء متاخرین جو بعد میں آئے اور انہوں نے متقدمین کے کام کی مزید شرح کی یا اس کو مزید آگے چلایا اَب دیکھا جائے تو جہاں عِلم رجال کا تعلق ہے تو اس کا دارومدار علماء متقدمین پر ہے کہ جو جرح وہ لے کر آئیں اگر وہ مفسر ہو اور ثابت ہو تو بعد والے بھی وہیں سے نقل کرتے ہیں لیکن متاخرین میں سے کوئی عالم کسی راوی پر جرح مفسر کر دے تو اُس کا اثبات مشکل ہے۔

یہی بات اہلِ سنت میں راجح ہے جس پر ہم اقوال پیش کر رہے ہیں۔

(1)۔ مولانا صفدر اوکاڑوی دیوبندی لکھتے ہیں :

متقدم کی توثیق کے ہوتے ہوئے جرح کا اعتبار نہیں۔

(انوارات صفدر صفحہ 337 اُردو)

(2)۔ علامہ ظفر تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں :

جرح المتاخر ولا یعتبر بہ مع ثناء المتدمین۔

متاخرین کی جرح کا متقدمین کی (راوی پر) توثیق کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں۔

(قواعد فی علوم الحدیث 399)

(3)۔ امام حاکم نیشاپوری لکھتے ہیں :

لم یخرجا ابا الخالد الدالانی فی الصحیحین لما ذکر من انحرافه عن السنه فی ذکر الصحابه فاما الائمة المتقدمون فکلهم شهدوا لابی خالد بالصدق والاتقان والحدیث الصحیح۔

ابوخالد الدالانی کی روایات کو صحیحین (بخاری و مسلم) میں نقل نہیں کیا گیا جس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ یہ راوی صحابہ سے منحرف تھا جبکہ تمام آئمہ متقدمین نے ابوخالد کو سچا اور متقی کہا ہے اس لئے اس کی حدیث صحیح ہے۔

(المستدرک علی صحیحین جلد 5 صفحہ 56 حدیث نمبر 8812 طبع دارالحرمین)

(4)۔ امام ابن حجر عسقلانی ابان بن صالح قرشی کے حالات میں لکھتے ہیں

وهذه غفلة منهما وخطا توارداعلیه فلم یضعف ابان هذا احد قبلهما ویکفی فیه قول ابن معین ومن تقدم معه۔

(ابن عبدالبر اور ابن حزم کا ابان کو ضعیف کہنا) یہ اُن کی غفلت اور خطا ہے ابان کے بارے میں کیونکہ ان دونوں سے پہلے کسی نے اس کو ضعیف نہیں کہا اور اس بارے میں ابن معین کا (توثیق والا) قول کافی ہے اور جو متقدمین ان کے ساتھ ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد 1 صفحہ 95 طبع ہند)

(5)۔ امام ناصرالدین البانی اہلِ حدیث لکھتے ہیں :

بکر بن عمرو، وهو ثقه اتفاقا محتج به عند الشيخين و جميع المحدثين فمن ضعف حديثه هذا من المتاخرين فقد خالف سبيل المومنين۔

بکر بن عمرو جو کہ ثقہ ہے اور بخاری مسلم نے متفقہ طور پہ اس کی روایات نقل کی ہیں پس جن علماء نے اس کی احادیث کو ضعیف کہا وہ متاخرین میں سے ہیں (لہٰذا قابل قبول نہیں) پس انہوں نے مومنین کے راستہ کی مخالفت کی۔

(سلسلہ احادیث الصحیحہ جلد 40 طبع ریاض)

ہم فقط 5 اقوال پر ہی اکتفاء کرتے ہیں جو اِس بات کے اثبات کے لئے کافی ہیں کہ نقد و جرح کا دار و مدار اصل میں علمائے متقدمین پر ہے جبکہ متاخرین کا اصل ماخذ وہی علمائے متقدمین ہیں۔

باب نمبر 2:

مالِ فئی کے اِحکام قرآن و حدیث اور کتب اہلِ سنت میں :

ب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دو قسم کے اموال آتے تھے۔

(1)۔ مالِ غنیمت

(2)۔ مالِ فئی

مالِ غنیمت وہ مال جو جنگ سے حاصل ہو اور مالِ فئی وہ مال جو بغیر کسی جنگ کے مخالفین صلح کر کے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دیں۔اب چونکہ ہماری بحث فدک پر ہے تو فدک مالِ فئی تھا جو کہ بغیر جنگ کے حاصل ہوا تو سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مالِ فئی کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وما افاء الله علی رسوله منهم فما اوجفتم علیه من خیل ولا رکاب ولکن الله یسلط رسله علی من یشاء والله علی کل شئی قدیر

ماافاء الله علی رسوله من اهل القری فلله وللرسول ولذی القربی والیتامی والمسا کین وابن السبیل کی لایکون دولة بین الا غنیاء منکم وما آتا کم الرسول فخذ وه وما نها کم عنه فانتهوا اتقوالله إن الله شدید العقاب۔

اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو فئی سے دلادیا سو تم نے اس پر گھوڑے نہیں دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو غالب کردیتا ہے جس پر چاہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

جو مالِ فئی اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیہات والوں سے دلایا سو وہ اللہ اور رسولؐ اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ تمہارے دولت مندوں میں نہ پھرتا رہے، اور جو کچھ تمہیں رسولؐ دے اُسے لے لو اور جس سے منع کرے اُس سے باز رہو، اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (سورہ حشر آیت 6،7)

مالِ فئی کے بارے میں یہ آیت خاص ہے کہ اس میں مالِ فئی کے احکام بتائے گئے کہ مالِ فئی کو ان مصارف میں دیا جاسکتا ہے :

(1)۔ اللہ کا (2)۔ رسول کا (3)۔ ذی القربیٰ کا

(4)۔ یتیموں کا (5)۔ مسکینوں کا (6)۔ مسافروں کا

لیکن مالِ فئی میں ایک چیز خاص ہے جو مالِ غنیمت کی طرح نہیں کہ رسولؐ جسے چاہیں اُسے عطا کریں جیسا کہ قرآن کی مذکورہ آیات میں واضح طور پر نکات موجود ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(1)۔ مالِ فئی پر کسی مسلمان نے کوئی اونٹ یا گھوڑے نہیں دوڑائے مطلب کسی کی کوئی محنت نہیں۔

(2)۔ اللہ نے اپنے رسولؐ کو یہ مال دلوایا۔

(3)۔ اللہ نے اپنے رسول ؐ کو اس مال پر مسلط کیا

(4)۔ جو رسول ؐ تمہیں دیں وہ لے لو جس سے روکیں رُک جاؤ۔

اِن نکات سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ مالِ فئی خالصتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت ہے کہ وہ جسے چاہیں عطا کریں جسے چاہیں نہ کریں۔

اب ہم سب سے پہلے اس پر احادیث اور اہلِ سنت کی فقہ کی کتب دیکھتے ہیں کہ مالِ فئی کے بارے میں کہا گیا ہے۔

حضرت عمر کی روایت کے مطابق وہ مذکورہ بالا سورہ حشر کی آیت نمبر 6

وما افاء الله علی رسوله منهم کے تحت فرماتے ہیں فکانت هذ ه خالصة لرسول الله کہ یہ اموال رسول اللہ ؐ کا خالصہ تھے۔

(صحیح بخاری جلد 3 صفحہ 98 حدیث 4033 طبع قاہرہ)

اِسی جملہ فکانت هذ ه خالصة لرسول الله کا ترجمہ غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب نے کیا ہے :

پس یہ اموال خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت تھے۔

(نعمت الباری شرح صحیح بخاری جلد 6 صفحہ 57 اُردو ترجمہ)

اب قرآن کی آیت اور حدیث کے بعد ہم اہلِ سنت کی مزید کتب میں دیکھتے ہیں کہ وہاں مالِ فئی کے کیا اِحکام ملتے ہیں۔

علاؤالدین سمرقندی لکھتے ہیں :

واما الفئی : فما حصل من غیر مقا تلة فهو خاص لرسوله علیه

السلام فیتصرف فیه رسول الله کیف شاء قال الله تعالیٰ وما افاء الله۔

اور مالِ فئی وہ ہے جو بغیر جنگ کے حاصل ہو پس یہ مال خاص ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کہ وہ اس میں جیسے چاہیں تصرف کریں جیسا کہ اللہ نے فرمایا (سورہ حشر آیت 6)

(تحفۃ الفقہاء جلد 3 صفحہ 298 طبع بیروت)

امام یوسف بن عمر کادوری لکھتے ہیں :

واما الفئی فما حصل من غیر مقا تلة فهو خاص لرسول الله والخمس لا ربابه الذ کو رین فیتصرف فیه رسول الله کیف ماشاء قال الله تعالیٰ وما افاء الله۔

اور فئی وہ ہے جو بغیر جنگ کے حاصل ہو پس یہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے ۔۔۔پس اس کو وہ جیسے مرضی چاہیں صرف کریں جیسا کہ اللہ نے فرمایا (سورہ حشر آیت 6)

(جامع المضمر ات والمشکلات جلد 5 صفحہ 326 طبع بیروت)

امام علاء الدین کاشانی حنفی لکھتے ہیں :

وقد کان الفئی لرسول الله خاصة یتصرف فیه کیف شاء یختصه لنفسه او یفر قه فیمن شاء۔

اور مالِ فئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے کہ اس میں وہ جیسے چاہیں صرف کریں

چاہیں تو اپنے لئے رکھ لیں یا اسے الگ کر دیں جیسے چاہیں۔

(بدائع الصنائع جلد 9 صفحہ 462 طبع بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں :

فکانت خالصة لرسول الله دون سائر الناس وانزل فیھم...

پس یہ مالِ فئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خالصہ تھے باقی لوگوں کے علاوہ اوراسی بارے میں

آیت نازل ہوئی (سورہ حشر آیت 6)

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد 15 صفحہ 64 طبع بیروت)

امام نووی لکھتے ہیں :

فکانت هذه کلها ملکا لرسول الله خاصة۔

پس یہ تمام کے تمام اموال خالصتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت تھے۔

(شرح صحیح مسلم جلد 12 صفحہ 82 طبع مصر)

ابوالحسن بن عبدالملک لکھتے ہیں :

فکانت خالصة لرسول الله دون سائر الناس۔

پس یہ اموال رسول اللہ ؐ کا خالصہ تھے دوسرے لوگوں کے علاوہ

(شرح صحیح بخاری لابن بطال جلد 5 صفحہ 286 طبع ریاض)

تو اَب قرآن وحدیث اور علماء کے اقوال سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مالِ فئی خالصتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مال ہوتا ہے وہ جسے چاہیں عطا کریں اب ہم مزید تحقیق کی راہ ہموار کرتے ہیں اور تخصیص کے ساتھ فدک کے بارے میں دیکھتے ہیں کہ آیا فدک

بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاس ہی رکھا یا اس کا کچھ اور معاملہ کیا۔

سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ زہری اور عبداللہ بن ابی بکر کہتے ہیں :

اهل فدك فنزلوا على مثل ذلك فكانت لرسول الله

خاصة لانه لم يوجف عليها بخيل ولا ركاب۔

فدک اور اس طرح کے اموال پر جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے پس وہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ تھے کیونکہ ان پہ کوئی گھوڑے یا اونٹ نہیں دوڑائے گئے۔

(بذل المجہود فی حل ابی داؤد جلد 13 صفحہ 348 طبع بیروت)

اسی کی شرح میں شیخ خلیل احمد سہارنپوری لکھتے ہیں :

وكانت فدك خالصة لرسول الله

اور فدک خالصتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔

(بذل المجہود فی حل ابی داؤد جلد 13 صفحہ 348 طبع بیروت)

امام ابن ہشام لکھتے ہیں :

فدک کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص اپنے اخراجات کے واسطے رکھا تھا۔

(سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 118 اُردو)

امام قاسم بن سلام لکھتے ہیں :

واما فدك فكانت على ماجاء فيها من الصلح .. خلصت كلها لرسول الله۔

اور فدک جو کہ صلح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا وہ خالصتاً کل کا کل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا تھا۔ (کتاب الاموال صفحہ 78)

امام ابوالحسن ماوردی بصری لکھتے ہیں :

وصارت فدك خالصة لرسول الله۔

(الحاوی الکبیر صفحہ 55 طبع بیروت)

امام ابن عبدالبر لکھتے ہیں :

وكانت فدك خاصة لرسول الله۔

(الدرر فی اختصار المغازی والسیر صفحہ 201 طبع دار المعارف)

امام ابوالفداء عماد الدین لکھتے ہیں :

وكانت فدك خالصة لرسول الله۔

(تاریخ ابی الفداء جلد 1 صفحہ 201 طبع بیروت)

امام ابن جریر الطبری لکھتے ہیں :

وكانت فدك خالصة لرسول الله۔

(تاریخ الطبری صفحہ 15 طبع دار المعارف)

تو اب اہلِ علم کے لئے اس چیز کا احاطہ کرنا کوئی مشکل نہیں ہوگا کہ قرآن وحدیث اور فقہ وسیرت کی کتب کے پیشِ نظر مالِ فئی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاصہ اور اُن کی ملکیت ہے اور فدک بھی مالِ فئی ہے جو خالصتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت تھا لہٰذا اس پہ کسی دوسرے کا کوئی حق یا اختیار نہیں۔

ان آیات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک اعتراض کا جواب بھی دے دیا جائے۔

اعتراض :

قرآن میں سورہ حشر کی آیت 7 میں فئی کے مصارف لکھے ہیں کہ فئی ان کو دیا جائے :

(1)۔اللہ کو (2)۔رسولؐ کو (3)۔ذی القربیٰ کو

(4)۔یتیموں کو (5)۔مسکینوں کو (6)۔مسافروں کو

تو جب قرآن میں ہے کہ فئی کے 6 حصے ہوں تو فدک بھی ان 6 مصارف میں تقسیم ہونا چاہیے نا کہ صرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی کو دے دیں کیا یہ صریح مخالفت قرآن نہیں ؟

جواب :

ہم کہتے ہیں کہ جو حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں انہوں نے آیت سمجھنے میں غلطی کی ہے کیونکہ یہ فقط وہ مصارف بتائے گئے ہیں جن میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مالِ فئی دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں ضروری نہیں کہ ان سب کو دیں کیونکہ فئی مخصوص ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جیسا کہ ہم اس پر قرآن احادیث وفقہ کی کتب سے پیش کر چکے ہیں کہ فئی پر مکمل اختیار جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے جیسا کہ قرآن میں خمس اور زکوٰۃ کی آیات میں ان کے مصارف بتائے گئے کہ کن کن کو خمس یا زکوٰۃ دیئے جاسکتے ہیں تو اب لازمی نہیں کہ ان تمام مصارف کو دیئے جائیں بلکہ کسی ایک کو بھی دے دیا جائے تو نصاب پورا ہو جاتا۔

رہی بات ان مصارف کی جو سورہ حشر میں آئے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مالِ فئی میں صرف فدک نہیں تھا بلکہ اموال بنی نضیر، اموال بنو قریظہ خیبر کا آدھا حصہ اور ینبع بھی

تھے جو کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آگے تقسیم بھی کئے لیکن فئی کا معاملہ خاص ہے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ کہ جسے چاہیں عطا کریں۔

جیسا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں :

اس آیت سے یہ بات بتانی مقصود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس مال کو کہاں کہاں صرف کریں گے مالِ غنیمت تو صرف مجاہدین میں تقسیم کرنا ضروری تھا لیکن مالِ فئی کی تقسیم مالِ غنیمت کی طرح نہیں تھی بلکہ اس کی تقسیم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کی صواب دید پر موقوف ہوئی اور ان کو اِجازت دی گئی کہ اصناف مذکورہ میں سے جس کو چاہیں دیں۔ (تفسیر مظہری جلد 11 صفحہ 243 اُردو)

اہلِ سنت متقدمین علماء میں سے امام ابو اسحق الزجاج المتوفی 311 ہجری لکھتے ہیں

وان رای ان صنفا من الاصناف یحتاج فیہ الی جمیع الفئی صرف فیہ اوفی ھذہ الاصناف علی قدر ما یری

اور یہ مال فئی ان کی (یعنی نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یا امام) مرضی پہ ہے کہ وہ چاہیں تو مذکورہ اصناف میں سے کسی ایک محتاج صنف کو سارا فئی دے دیں یا جس قدر چاہیں اپنی مرضی سے دیں۔ (معانی القرآن واعرابہ جلد 5 صفحہ 146 طبع بیروت)

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں :

وقال الجمهور : مصرف الفئی کله الی رسول الله صلی الله علیه وسلم یصرفه بحسب المصلحة لقول عمر الآتی : فکانت هذه خالصة لرسول الله صلی الله علیه وسلم۔

جمہور کا ماننا ہے کہ فئی کے مصارف سارے کے سارے رسول ﷺ کی صوابدید پر منحصر ہیں وہ جس مصلحت کے تحت چاہیں جیسے خرچ کریں حضرت عمر کے اس قول کے تحت جس میں حضرت عمر نے کہا یہ رسول ﷺ کا خالص مال ہے۔

(ارشادالساری جلد 7 صفحہ 7 طبع بیروت)

امام ابن حجر عسقلانی بھی اس قول کو جمہور سے نقل کرتے ہیں

(فتح الباری جلد 6 صفحہ 240 طبع سعودیہ)

امام محمد عبدالرحمن مبارکپوری بھی یہی قول فتح الباری سے نقل کرتے ہیں

(تحفۃ الاحوذی شرح الترمذی جلد 5 صفحہ 271 طبع دارلکتب العلمیہ بیروت)

امام نووی لکھتے ہیں :

فی الصحیح من حدیث اسماء بنت ابی بکر ان النبی ﷺ اقطع الزبیر ارضا من اموال بنی النضیر ...والاحادیث تدل علی ان یجوز للنبی ﷺ و من بعدہ من الائمۃ اقطاع الاراضی و تخصیص بعض دون بعض۔

صحیح حدیث میں آیا ہے اسماء بنتِ ابوبکر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے زبیر کو بنو نضیر کے اموال میں سے زمین عطا کی۔۔۔اور احادیث اس چیز پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ اور ان کے بعد امام کے لئے جائز ہے کہ وہ زمین (جسے چاہیں) عطا کر دیں اور اسے وہ بعض لوگوں کے لئے بعض کے علاوہ خاص کر دیں (یعنی بعض میں سے جسے چاہیں دیں)

(المجموع شرح المہذب جلد 16 صفحہ 143 امام نووی طبع مکتبۃ الارشاد السعودیہ)

علاوہ ازیں ہم اس سے قبل برادران کی فقہ اور شروح کی کتب سے یہ پیش کر آئے ہیں جن میں درج ہے کہ مالِ فئی خالصتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مال ہے کہ وہ اسے جیسے چاہیں خرچ کریں۔

مزید یہ کہ جب ہم علمی نگاہ سے برادرانِ اہل سنت کے منابع دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ برادران کے ہاں اس آیت کے بارے میں کثیر اختلاف موجود ہے جبکہ اس آیت سے غلط استدلال پیش کر کے کافی سارے مغالطے پھیلائے جاتے ہیں لہٰذا اس پہ مفصل کلام ضروری ہے۔تو سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض علماء اہلِ سنت مذکورہ آیت نمبر 7 کو مالِ فئی کے تحت نہیں لیتے بلکہ غنیمت کے تحت لیتے ہیں

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں :

والصواب من القول فی ذلك عندی ان هذه الاية حكمها غير حكم الاية التی قبلها وذلك ان الاية التی قبلها مال جعله الله لرسوله خاصة دون غيره لم يعجل لاحد فيه نصيبا وبذلك جاء الاثر عن عمر بن الخطاب۔

اور ہمارے نزدیک جو قول ہے وہ یہ کہ اس آیت (نمبر 7) کا حکم اس سے قبل آیت (نمبر 6) سے علیحدہ ہے (یعنی یہ فئی کے بارے میں نہیں) اور جیسا اِس سے پہلی آیت میں ہے اللہ نے مالِ فئی کو خالص رسول اللہ ؐ کا فرمایا ہے جس میں کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہیں جیسا کہ اسی طرح کی ایک روایت عمر بن خطاب سے آئی

ہے۔

(تفسیر الطبری جلد 22 صفحہ 519،518 طبع ترکی)

امام احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں :

پہلی آیت میں غنیمت کا جو حکم مذکور ہوا اِس آیت میں اسی کی تفصیل ہے اور بعض مفسرین نے اس قول کی مخالفت کی اور فرمایا کہ پہلی آیت اموال بنی نضیر کے باب میں نازل ہوئی ان کو اللہ نے اپنے رسولؐ کے لئے خاص کیا اور یہ آیت ہر اس شہر کی غنیمتوں کے باب میں ہے جو مسلمان اپنی قوت سے حاصل کریں۔

(کنز الایمان صفحہ 1009 اُردو طبع مکتبۃ المدینہ)

امام ابوبکر بن العربی مالکی لکھتے ہیں :

اس میں کوئی اشکال نہیں کہ تین آیات میں تین معانی ہیں، جہاں تک پہلی آیت کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے

ھوا الذی اخرج الذین کفروا ۔ (سورہ الحشر آیت 2)

دوسری آیت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے

وما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری ۔ (سورہ الحشر آیت 2)

تیسری آیت (سورہ حشر آیت 7) سے مراد آیت غنیمت ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا معانی اور ہے جو ایک اور مستحق کے استحقاق کو ثابت کرتی ہے۔۔۔۔ پہلی آیت اس اَمر کا تقاضہ کرتی ہے کہ یہ مال بغیر جنگ کے حاصل ہوا ہے،

آیت انفال اِس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ یہ مال قتال سے حاصل ہوا ہے جبکہ تیسری

آیت مااِفاء اللہ علی رسولہ من اھل القری اس اَمر سے خالی ہے کہ یہ مال جنگ سے یا بغیر جنگ کے حاصل ہوا۔۔۔ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت (نمبر 7) پہلی آیت کے ساتھ لاحق ہوگی اور دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ یہ انفال کے ساتھ ملحق ہوگی۔۔۔اللہ تعالیٰ کی وہ شہادت جو اس سے پہلے ہے اس کے ساتھ لاحق کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں ایک نیا فائدہ اور نیا معنیٰ ہے جبکہ یہ تو معلوم و مشہور ہے کہ آیت کہ حرف جو دوسری آیت سے زائد ہوں اسے نئے فائدہ پہ محمول کرنا زیادہ مناسب ہے بنسبت اس کے کہ اسے سابقہ فائدہ پہ محمول کیا جائے ہم کسی قول کو پسند نہیں کرتے مگر اسے ہی جسے ہم نے اس انداز میں تقسیم کیا ہے اور ہم نے وضاحت کردی ہے کہ دوسری آیت کا معنیٰ نیا ہے۔

(احکام القران جلد 4 صفحہ 214،215 طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

اسی ساری بحث کو امام ابوعبداللہ قُرطبی نے نقل کیا ہے اور اس کے بعد انہی کے موقف کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں انہوں نے یعنی ابن العربی نے جو پسند کیا ہے وہ حسن ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد 9 صفحہ 327 اُردو ترجمہ از ضیاء القران پبلیکیشنز)

امام ابی جعفر احمد بن محمد النحاس اِس آیت کے ذیل میں کافی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ویدلك علی حدیث عمر مع صحة اسناده طریقة ...عن مالك بن اوس حدثان عن عمر بن الخطاب قال کانت اموال بنی نضیر مما افاء الله علی رسوله مما لم یوجف علیه المسلمون بخیل

ولا رکاب فکان رسول اللہ ینفق منها علی اهله نفقه سنة وما بقی
جعله فی السلاح ولکراع عدة فی سبیل الله فقد دل هذا علی ان
الایة الثانیة حکمها خلاف حکم الاولی لان الاولی تدل علی
هذا ان ذلك شئی للنبی والایة الثانیة علی خلاف ذلك۔

حضرت عمر کی صحیح اور مضبوط طریق سے حدیث دلیل ہے کہ جو مال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دلوایا گیا جس پہ کوئی گھوڑے یا اونٹ نہیں دوڑائے گئے تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مال وعیال کا نفقہ اس سے نکالتے اور بچ جاتا اسے اسلحہ وغیرہ یا خدا کی راہ میں خرچ کرتے۔

پس یہ دلیل ہے کہ دوسرے آیت (نمبر 7) پہلی آیت (نمبر 6) کے حکم کے خلاف ہے کیونکہ پہلی آیت میں ہے کہ یہ چیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے لیکن دوسری آیت (نمبر 7 جس میں دیگر مصارف ہیں) اس کے خلاف ہے۔

(اعراب القران صفحہ 1130 طبع دارالمعرفہ بیروت)

محمود بن حمزہ الکرمانی المتوفی 505 ہجری لکھتے ہیں :

قوله "وما افاء الله"
(6)۔ وبعدها "ما افاء"
(7)۔ بغیر واو، لان الاول معطوف علی قوله
"ما قطعتم من لینه"
(5)۔ والثانی استئناف کلام. لیس به تعلق. وقول من قال:

انہ بدل من الاول مزیف عند اکثر المفسرین۔

اللہ کا فرمان سورہ حشر آیت 6 اور اس کے بعد والی آیت نمبر 7 بغیر واو کے ہے جبکہ آیت 6 اور 5 کے درمیان واو معطوف کا ہے اور دوسرا کلام (آیت نمبر 7) نیا کلام ہے جس کا آیت نمبر 6 سے تعلق نہیں اور یہ قول کہ یہ آیت نمبر 7 آیت نمبر 6 سے غیر حقیقی طور پہ تبدیل ہے اکثر مفسرین کا ہے۔

(البرہان فی توجیہ متشابہ القرآن صفحہ 235 طبع دار الفضلیۃ)

مزید یہ کہ برادران کے ہاں مذکورہ آیت نمبر 7 کے منسوخ ہونے کا حکم بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ ہم اس پہ بھی دلائل قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

امام ابن جریر الطبری اپنی سند سے قتادہ سے نقل کرتے ہیں :

عن قتادہ فی قولہ " ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ و للرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل"۔

(سورہ حشر آیت 7)

قال کان الفئی فی ھولاء ثم نسخ ذلك فی سورہ الانفال فقال واعلموا نما غنمتم من شئی فان اللہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل۔ (سورہ الانفال آیت 41)

قتادہ کہتے ہیں کہ سورہ حشر کی آیت نمبر 7 منسوخ ہے اور اس کی ناسخ سورہ انفال کی آیت نمبر 41 ہے۔ (تفسیر الطبری جلد 12 صفحہ 36،37 طبع بیروت)

امام قرطبی نقل کرتے ہیں :

علماء میں سے ایک جماعت نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان وما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری اِس آیت کا حکم اس آیت کے حکم سے منسوخ ہے جو سورہ انفال میں ہے کہ خمس ان افراد کے لئے ہے جن کا ذکر کیا گیا اور باقی چار حصے جہاد کرنے والوں کے لئے ہے ابتداء اسلام میں غنیمت انہیں اقسام پہ تقسیم ہوتی تھی یہ قول یزید بن رومان، قتادہ اور دوسرے علماء کا ہے، اس کی مثل امام مالک سے مروی ہے

(تفسیر قرطبی جلد 9، صفحہ 325 اُردو ترجمہ)

امام مکی بن ابی طالب لکھتے ہیں :

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھلِ القری .... ثم نسخ ذلک فی سورہ الانفال بقول واعلموا انما غنمتم ۔ سورہ حشر کی آیت نمبر 7 کو سورہ انفال کی آیت نے منسوخ کیا۔ (الھدایہ الی بلوغ النھایہ صفحہ 7390)

امام الفقیہ عماد الدین الطبری سورہ حشر کی آیت نمبر 7 کے ذیل میں لکھتے ہیں :

ثم نسخ ذلک بقولہ واعلموا انما غنمتم من شئی ۔

پھر یہ آیت نمبر 7 سورہ انفال کی آیت سے 41 سے منسوخ ہوگئی۔

(احکام القرآن مجلد 4،3 صفحہ 406 طبع بیروت)

امام ابی القاسم جمال الدین البذوری اپنی کتاب قبضۃ البیان فی ناسخ والمنسوخ فی القران صفحہ 17 میں سورہ حشر کی آیت کو منسوخ اور سورہ انفال کی آیت 41 کو ناسخ قرار دیتے ہیں۔

محمد بن عبد اللہ الصغیر اپنی کتاب دلیل المتشابہات اللفظیہ صفحہ 298 طبع ریاض

میں اس کو متشابہات آیات میں شمار کرتے ہیں۔

اب ان تمام باتوں کو ایک جگہ جمع کیا جارہا ہے ملاحظہ ہوں۔

پہلا قول کہ سورہ حشر کی آیت 7 کے ماتحت نبی یا امام جسے چاہیں فئی عطا کریں۔

دوسرا قول کہ مذکورہ آیت فئی کے باب میں نہیں بلکہ انفال کے بارے میں ہے۔

تیسرا قول کہ یہ آیت منسوخ ہے۔

چوتھا قول یہ کہ یہ آیت متشابہات میں سے ہے۔

اب اِن تمام اقوال کو مدِنظر رکھتے ہوئے برادران کا فقط فدک کو اپنی منطق سے 6 حصوں میں تقسیم کردینا فقط کم علمی ہے ورنہ ان تمام اقوال کو علمی نگاہ سے دیکھیں تو برادران کا اِس آیت سے استدلال کرنا صریحاً غلط ہے بلکہ شافعی مذہب کے ستون

امام الحرمین فرماتے ہیں :

و انه صلى الله عليه وسلم ملك خمس الفئى والغنيمة ، واربعة اخماس الفئى۔

رسولؐ فئی کے پانچویں حصہ کے پانچویں مالک اور ایسے ہی مالِ غنیمت میں سے پانچویں حصہ کے مالک ہیں اوراس پر مزید یہ کہ آپ فئی کے (پانچ میں سے) باقی چار حصوں کے بھی مالک ہیں۔ (نہایۃ المطالب جلد 8 صفحہ 289)

شافعی کا مسلک تھا کہ عمومی مالِ غنیمت میں سے پانچ حصے ہوں گے اور اس میں سے ایک حصہ کا مالک رسولؐ ہوں گے اور مالِ فئی میں 25 حصہ بنیں گے جس میں 21 کے مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے اور باقی چار کی ملکیت یتیم، فقیر، قرابت دار اور

مسافر ہوں گے۔ لہٰذا اس منطق کے تحت بھی چلیں تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فدک جس سال ملا اُس ہی سال خیبر کے تین قلعہ بھی ملے (دو اموال فئی اور ایک مالِ خمس) تو جب آپ کے پاس خیبر کے تین قلعہ اور جاگیر فدک تھی تو یوں آپ اس میں سب سے سخت مسلک یعنی شافعی مسلک کے مطابق بھی 25 میں سے 21 حصوں کے حق دار تھے لہٰذا جب جاگیر فدک آپ کے حصہ میں آئی تو وہ آپ نے جنابِ سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا کو عطا کیا لہٰذا اِس مسلک کے تحت بھی کوئی اعتراض نہیں بنتا بلکہ جمہور مسلک کے تحت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اصلاً کوئی اعتراض ہی نہیں آتا۔ کیونکہ جمہور نے تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر ہی چھوڑ دیا وہ جیسے چاہیں تقسیم کریں۔

یہاں ہم کچھ حوالہ جات بھی پیش کرتے جائیں کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب میں اموال فئی اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کیا کرتے تھے۔

(1)۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو پوری وادی العقیق بطورِ جاگیر عطا کی۔

(فتوح البلدان جلد 1 صفحہ 35 اُردو)

(2)۔ فاعطی المهاجرين وثلاثه من الانصار لفقرهم۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اموال فئی میں سے مہاجرین کو دیا اور انصار میں سے تین فقراء کو عطا کیا۔ (تفسیر جلالین صفحہ 56 طبع بیروت)

(3)۔ بنونضیر کے اموال میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابودجانہ کو جاگیریں عطا کیں۔

(فتوح البلدان جلد 1 صفحہ 41 اُردو)

(4)۔ اموال بنی نضیر میں سے آپ ﷺ نے مہاجرین اور سہل بن حنیف کو دیا

گیا۔ (فتوح البلدان صفحہ 42 اُردو)

(5)۔ رسول اللہ ﷺ نے زبیر کو زمین عطا کی جس میں کھجوروں کے درخت

تھے۔ (فتوح البلدان جلد 1 صفحہ 47)

(6)۔ رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ اور خیبر کے اموال مسلمانوں میں تقسیم

فرمائے۔ (فتوح البلدان جلد 1 صفحہ 47)

ساتھ ہی یہ ہم شیعوں کا نقطہ نظر بھی بیان کر دیتے ہیں تا کہ قارئین کے لئے دونوں اطراف کے دلائل سامنے آجائیں۔

شیخ طوسی ؒ رقم طراز ہیں :

علی بن الحسن بن فضال عن محمد بن علی عن ابی جمیلة.

قال : وحدثنی محمد بن الحسن عن ابیه عن ابی جمیلة عن محمد بن علی الحلبی عن ابی عبد الله علیه السلام قال : سالته عن الانفال فقال : ما کان من الارضین باد اهلها وفی غیر ذلك الانفال هو لنا وقال: سورة الانفال فیها جدع الانف. وقال: (ما افاء الله علی رسوله منهم فما اوجفتم علیه من خیل ولا رکاب ولکن الله یسلط رسله علی من یشاء)

(1)۔ وقال : الفئی ما کان من اموال لم یکن فیها هراقة دم اوقتل والانفال مثل ذلك هو بمنزلة ۔

امام صادق علیہ السلام سے جب انفال کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا یہ ایسی زمینیں ہیں جن کو اُن کے رہنے والے چھوڑ گئے ہوں اور ان کے علاوہ بھی، اور یہ ہمارے لئے ہیں اور سورہ انفال میں ان کی خواہشات کے برخلاف حکم آیا اور یونہی (سورہ حشر کی آیت 6) میں ارشاد ہوا :

ترجمہ :

اور جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسول کو ان سے تو تم نے ان پر نہ اپنے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ ہاں اللہ اپنے رسولوں کے قابو میں دے دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اور مزید کہا کہ ہر وہ مال جس میں خون خرابہ اور قتل نہ ہو وہ فئی ہے اور انفال بھی اس جیسا ہے اور اس کی مانند ہے۔

(تہذیب الاحکام جلد 4 صفحہ 133 رقم 371)

مزید ایک اور روایت پیش خدمت ہے :

و عنه عن محمد بن سالم عن عبد الله بن سنان عن ابی عبدالله علیه السّلام فی الغنیمة قال : یخرج منها الخمس ویقسم مابقی بین من قاتل علیه و ولی ذلك.

فاما الفئی والانفال فهو خالص لرسول الله صلی الله علیه وآله

عبداللہ بن سنان نے امام صادق علیہ السلام سے غنیمت کے بارے میں دریافت کیا تو امام نے جواب دیا کہ اس کا خمس نکالا جائے گا اور باقی کو مقاتلین دیگر عنوان سے تقسیم کیا جائے گا، ہاں البتہ فئی اور انفال یہ خالص رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ہے۔

(تہذیب الاحکام جلد 4 صفحہ 132و133 رقم368)

توان شیعہ روایات کے مطابق بھی فیٔ خالصتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور اُن کے بعد آئمہ علیہم السلام کا ہے وہ اسے جیسے چاہیں خرچ کریں۔

اب برادران کا اِس آیت کے تحت فدک کو 6 حصوں میں تقسیم کرنے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔

جناب سیّدہ زہرا سلام اللہ علیہا کا 2 دعوے پیش کرنا

فدک سے متعلق کچھ ایسے حقائق پر روشنی ڈالنا ضروری ہے جو کہ اِس موضوع کی بنیاد ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جناب سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فدک سے متعلق حضرت ابوبکر کے ہاں 2 دعوے کئے۔

(1)۔ دعویٰ ہبہ

(2)۔ دعویٰ ارث

دعوی ہبہ تھا کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک اپنی زندگی میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو عطیہ کردیا تھا۔

اِس دعویٰ کو حضرت ابوبکر نے قبول نہ کیا اور گواہ طلب کئے لیکن گواہوں کے ہوتے ہوئے اِس دعویٰ کو رَد کردیا گیا تفصیل آگے دلائل کی روشنی میں آئے گی۔

پھر جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا نے دوسرا دعویٰ وراثت کا کیا کہ یہ میرے بابا کی میراث تو ہے لہٰذا میں اُن کی وارث ہوں یہاں حدیث لانورث سنا کر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے دعویٰ کا رَد کیا گیا جس پر جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا غضبناک ہوئیں اور حضرت ابوبکر سے ترکِ ملاقات کردی یہاں تک کہ وفات تک ان سے نہ ملیں تفصیل آگے دلائل کی روشنی میں آئے گی۔

ایک اعتراض کا جواب:

یہاں پر اعتراض کیا جاتا ہے جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا نے یہ دو دعوے کیسے کردیئے؟ جبکہ ہبہ کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے وراثت کا تعلق موت کے

ساتھ ہے تو یہاں اجتماع ضدین لازم آتا ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اجتماع ضدین تو تب لازم آئے گا جب ایک ہی وقت میں یہ دونوں دعوے کئے گئے ہوں لیکن جب مختلف اوقات میں دونوں دعوے ہوں تو اجتماع ضدین لازم نہیں آتا جیسا کہ درسِ نظامی کی منطق کی کتب میں موجود ہے ہم کچھ حوالہ جات لکھ رہے ہیں تا کہ قارئین کرام ان سے مستفید ہوں۔

تناقض ثابت کرنے کے لئے ان دونوں قضیوں (واقعات) میں آٹھ چیزوں کا اتفاق یا متحق ہونا ضروری ہے۔

(1)۔ وحدۃ موضوع

(2)۔ وحدۃ محمول

(3)۔ وحدۃ مکان

(4)۔ وحدۃ زمان

(5)۔ وحدۃ قوت وفعل

(6)۔ وحدۃ شرط

(7)۔ وحدۃ جزءوکل

(8)۔ وحدۃ اضافت

کتب ملاحظہ ہوں :

(1)۔ التقریرات شرح اُردو علی المرقات صفحہ 235،236 مولانا محمد اشرف

(2)۔ الاساس فی المنطق صفحہ 59 عربی

(3)۔ القطبی صفحہ 420 شیخ قطب الدین الرازی طبع، کراچی

(4)۔ سراج التہذیب فی حل شرح التہذیب صفحہ 275،276 مولانا منظور الحق اُردو ترجمہ

(5)۔ تیسیر المنطق صفحہ 33 مولانا عبداللہ گنگوہی اُردو ترجمہ

لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ اس بے تکے اعتراض کا کوئی مقصد نہیں کیونکہ جب جناب سیدہ وسلام اللہ علیہا کے دونوں دعوے مختلف اوقات میں ہیں تو اجتماع ضدین متحقق نہیں ہوگا کیونکہ اجتماع ضدین ثابت کرنے کے لئے جو 8 چیزیں ہیں ان میں وحدت زمان کی شرط بھی ہے لیکن یہاں وحدت زمان متحقق نہیں ہو رہا لہٰذا یہ اعتراض باطل ہے۔

جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فدک عطا کرنا

جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک اپنی زندگی میں جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کو عطا کر دیا تھا جس پر بسند معتبر روایات اہلِ سنت کی کتب میں موجود ہیں ہم پہلے روایات نقل کریں گے اُس کے بعد ان پہ اعتراضات نقل کر کے اُن کے جوابات دیئے جائیں گے۔

قرآت على الحسين بن يزيد الطحان، حدثنا : سعيد بن خثيم، عن فضيل، عن عطية، عن ابي سعيد الخدري،

قال : لما نزلت هذه الآية : وآت ذا القربى حقه والمسكين وابن السبيل ولا تبذر تبذيرًا۔ (الاسراء 26)

دعا النبي (ص) فاطمة واعطاها فدك۔

ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ جب سورہ بنی اسرائیل کی آیت 26 نازل ہوئی یعنی اپنے قربیٰ کو ان کا حق دے دو تو جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کو بلایا اور اُن کو فدک عطا کیا۔

(1)۔ مسند ابی یعلی جلد 2 صفحہ 534 طبع بیروت ،

(2)۔ مسند ابو یعلی جلد 1 صفحہ 724 اُردو ترجمہ ،

(3)۔ تفسیر در منثور جلد 4 صفحہ 467 اُردو ترجمہ ،

(4)۔ مجمع الزوائد جلد 7 صفحہ 98 امام ہیثمی۔ طبع بیروت ،

(5)۔ تفسیر روح المعانی جلد 15 صفحہ 62 طبع بیروت ،

(6)۔ تفسیر فتح القدیر صفحہ 821 طبع بیروت ،

(7)۔ اسنی المطالب فی صلۃ الارقاب صفحہ 152 امام ابن حجر مکی طبع بیروت ،

(8)۔ المکی والمدنی فی القران الکریم صفحہ 132 عبدالرزاق حسین احمد طبع بیروت،

(9)۔ کنز العمال برحاشیہ مسند احمد جلد 1 صفحہ 428

(10)۔ کشف الاستار جلد 3 صفحہ 55 امام ہیثمی طبع بیروت ،

اِس روایت پر کئے جانے والے اعتراضات کا تفصیلی جواب بعد میں دیا جائے گا لیکن سب سے پہلے ہم اِس روایت کی اسناد دیکھتے ہیں کہ اس کا پہلا راوی ہے :

راوی حسین بن یزید الطحان

امام ابن حبان اس کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (الثقات جلد 8 صفحہ 188)

یہ صحیح مسلم کا راوی ہے۔

(الجرح والتعدیل جلد 3 صفحہ 67 امام ابن ابی حاتم)

علامہ شعیب ارنووط اور ڈاکٹر بشار عواد اِس کو حسن الحدیث کہتے ہیں۔

(تحریر تقریب التہذیب جلد 1 صفحہ 295)

آگے دوسرا راوی ہے :

راوی سعید بن خثیم

امام ابن معین اسے ثقہ کہتے ہیں۔ (معرفۃ الرجال جلد 1 صفحہ 102 ابن معین)

امام عجلی اس کو ثقہ کہتے ہیں۔ (معرفۃ الثقات جلد 1 صفحہ 397)

امام ابن حبان اس کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔ (ثقات ابن حبان جلد 6 صفحہ 359)

امام ابوزرعہ اور امام نسائی فرماتے ہیں اس سے حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں۔

(تہذیب الکمال جلد 10 صفحہ 414)

امام ترمذی اس کی حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں ؏1

(تہذیب الکمال جلد 10 صفحہ 414)

امام مزی خود اس کی سند کو عالی فرماتے ہیں۔ (تہذیب الکمال جلد 10 صفحہ 416)

آگے تیسرا راوی ہے :

راوی فضیل بن مرزوق

ابن شاہین اس کو ثقات کہتے ہیں۔ (معرفۃ الثقات رقم 1068)

امام ابن معین اس کو ثقہ لکھتے ہیں۔ (موسوعہ تاریخ ابن معین جلد 1 صفحہ 272)

امام بخاری اس کو مقارب الحدیث ؏2 کہتے ہیں (جامع الجرح والتعدیل جلد 2 صفحہ 367)

؏1 روایت کی تصحیح یا تحسین اصل میں سند کے راویوں کی توثیق ہے مقدمہ نمبر 1 ملاحظہ ہوں۔

؏2 مقارب الحدیث سے امام بخاری کی مراد ہوتی ہے کہ راوی قوی ہے۔

(نیل الاوطار جلد 2 صفحہ 63 امام شوکانی، شرح سنن ابن ماجہ صفحہ 1136 امام مغلطائی، سنن الترمذی جلد 1 صفحہ 384 تحت حدیث 199)

امام عجلی اس کو ثقہ لکھتے ہیں۔ (معرفۃ الثقات جلد 2 صفحہ 208)

سفیان بن عیینہ اِس کو ثقہ کہتے ہیں، ابن عدی کہتے ہیں اس سے حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں، ہیثم بن جمیل اسے آئمۃ الہدیٰ کہتے ہیں۔

صحیح مسلم کا راوی ہے اور خود امام ذہبی اس کو حسن الحدیث کہتے ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء جلد 7 صفحہ 342،343)

یعقوب بن سفیان بھی اسے ثقہ کہتے ہیں (جامع الجرح والتعدیل جلد 2 صفحہ 367)

اب اگلے راوی کی طرف آتے ہیں لیکن اس پہ ہمارا کلام ذرا طویل ہوگا کیونکہ اِس سند میں سے راوی پر بہت جرح نقل کی جاتی ہے پہلے اِس پر توثیق کے کلمات نقل کریں گے اس کے بعد اس پر کی جانے والی جرح کا مکمل جواب دیا جائے گا۔

راوی عطیہ بن سعد العوفی کی توثیق اور تحسین

امام اِبن معین اس کے بارے میں کہتے ہیں لیس بہ باس [1] یعنی یہ ثقہ ہے۔ (التذ ییدعلی کتاب تہذیب التہذیب صفحہ 283، من کلام ابی زکریا یحی بن معین صفحہ 84 ابن طہمان)

---

[1] لیس بہ باس ابن معین کی خاص اصطلاح ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ راوی ثقہ ہے دیکھیں : اخبار المکین صفحہ 315 احمد بن زہین، الکفایہ صفحہ 22 خطیب بغدادی، تاریخ اسماء الثقات صفحہ 370 ابن شاہین، مقالات جلد 3 صفحہ 328 زبیر علی زئی اہل حدیث، لسان المیزان جلد 1 صفحہ 13

امام ابن شاہین بھی یحیٰ بن معین کے قول کے تحت اس کو ثقات کہتے ہیں۔

(تاریخ اسماء الثقات صفحہ 247)

امام ابن سعد کہتے ہیں انشاء اللہ یہ ثقہ ہے اور اس کی احادیث صالح ہیں۔

(طبقات الکبریٰ ابن سعد جلد 6 صفحہ 305 طبع بیروت)

علامہ سبط ابن الجوزی اس کو ثقہ کہتے ہیں۔

(تذکرۃ الخواص صفحہ 42)

امام عجلی فرماتے ہیں عطیه العوفی کوفی تابعی ثقه ولیس بالقوی۔یعنی عطیہ العوفی کوفی تابعی ثقہ ہے اور اتنا قوی نہیں ۲

(معرفتہ الثقات جلد 2 صفحہ 140)

امام مزی ایک سند کو جس میں عطیہ موجود ہے عالی کہہ کر اس کی توثیق کرتے ہیں۔

(تہذیب الکمال جلد 15 صفحہ 128)

محدث الناقد ظفر عثمانی تھانوی اور حکیم الامت اشرف علی تھانوی اس کو حسن الحدیث کہتے ہیں۔(اعلائی السنن جلد 7 صفحہ 14)

امام ابن القطان فاسی فرماتے ہیں فالحدیث به حسن۔پس اس کی حدیث حسن (کا درجہ رکھتی) ہے۔

(بیان الوہم والایہام الواقعین فی کتاب الاحکام جلد 4 صفحہ 363)

---

۲ لیس بالقوی پہ بعد میں کلام ہوتا ہے کہ آیا یہ جرح مفسر ہے یا مبہم

مولانا رشد اللہ سندھی عطیہ العوفی کو صدوق قرار دیتے ہیں۔

(کشف الاستار عن رجال معانی الاثار صفحہ 74)

امام زیلعی حنفی ابن قطان کے قول سے استفادہ کرتے ہیں اور عطیہ العوفی کو حسن الحدیث ہی لکھتے ہیں۔ (نصب الرایہ جلد 1 صفحہ 68)

مولوی امیر علی حنفی لکھتے ہیں :

فاما عطیة العوفی فحسن له الترمذی یعنی عطیہ العوفی کو ترمذی نے حسن (الحدیث) کہا ہے۔(تعقیب التقریب صفحہ 363)

امام ہیثمی ایک روایت کے تحت لکھتے ہیں فیه محمد بن ابی لیلیٰ وعطیه وکلاهما فیه کلام و حدیثهما حسن ۔یعنی اس روایت میں محمد بن ابی لیلیٰ اور عطیہ العوفی ہیں اور ان دونوں پر کلام (جرح) ہے اور ان دونوں کی حدیث حسن ہے یعنی حسن الحدیث ہیں۔

(بغیۃ الرائد فی تحقیق مجمع الزوائد جلد 3 صفحہ 360)

امام ترمذی عطیہ کی ایک روایت کو حسن قرار دیتے ہیں۔

(جامع الترمذی جلد 1 صفحہ 501 حدیث 1168 اُردو ترجمہ)

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس سے روایات لی ہیں جو اس کے ثقہ ہونے پر دال ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ جلد 2 صفحہ 411 صحیح ابن خزیمہ جلد 4 صفحہ 118)

امام ابن حجر عسقلانی اس کی روایت کو حسن قرار دیتے ہیں۔

(نتائج الافکار جلد 1 صفحہ 268)

جامع الترمذی کے محقق شیخ احمد محمد شاکر لکھتے ہیں :

عطیہ هذا تکلموا فیه کثیرا وهو صدوق وفی حفظه شیء وعندی ان حدیثه لا یقل عن درجة الحسن وقد حسن له الترمذی کثیرا۔

عطیہ پر بہت زیادہ کلام ہوا ہے جو کہ صدوق ہے اور اس کے حافظہ میں بھی کچھ (مسئلہ) تھا لیکن یہ حسن (الحدیث) درجہ سے کم نہیں ہے اور ترمذی نے بھی اس کی کثیر روایات کو حسن کہا ہے۔

(الجامع الصحیح وھو السنن الترمذی جلد 2 صفحہ 343 تحت حدیث 477)

امام طحاوی حنفی نے اپنی کتاب شرح معانی الاثار میں عطیہ سے روایات لی ہیں جبکہ انہوں نے اس کے مقدمہ میں کہا ہے کہ مَیں وہی روایات نقل کروں گا جو صحیح ہیں اور جن سے احتجاج کیا جاتا ہے۔

(شرح معانی لاثار جلد 3 صفحہ 221 حدیث 5168)

محقق حمزہ احمد الزین نے عطیہ کی روایت کو حاشیہ میں حسن لکھا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 10 صفحہ 25 حدیث 10980 طبع قاہرہ)

محقق بدر بن عبد اللہ البدر نے عطیہ کی روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

(جزء الالف دینار تصنیف ابوبکر احمد بن جعفر القطیعی صفحہ 238 حدیث 150)

امام المحدث حسین بن مسعود البغوی عطیہ کی سند کو حسن قرار دیتے ہیں۔

(شرح السنہ جلد 14 صفحہ 100)

شیخ محقق شریف حاتم بن عارف عطیہ کی سند کو حسن قرار دیتے ہیں۔

(احادیث الشیوخ الثقات تصنیف قاضی مارستان جلد 2 صفحہ 528 حدیث 83)

امام ابن کثیر دمشقی عطیہ کی روایت کو حسن قرار دیتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر جلد 6 صفحہ 256 تحت سورہ القصص آیت 80،81)

امام الفقیہہ زاہد بن حسن کوثری ایک روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں

ابن مرزوق من رجال مسلم وعطیه حسن له الترمذی عدة احادیث ۔یعنی ابن مرزوق صحیح مسلم کے رجال میں سے ہے اور عطیہ کی احادیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے (یعنی یہ حسن الحدیث ہے)

(محقق التقول فی مسالۃ التوسل صفحہ 5 طبع مصر)

حافظ دمیاطی عطیہ کی ایک روایت کو حسن قرار دیتے ہیں۔

(المتجر الرابح صفحہ 642 حدیث نمبر 1321 طبع النھضۃ الحدیثیہ)

حافظ زین الدین عراقی کی روایت کو حسن کہتے ہیں۔

(المغنی عن حمل الاسفار جلد 1 صفحہ 289 حدیث 1100 طبع الریاض)

امام المنذری عطیہ کی روایت کو اپنے اُستاد ابوالحسن مقدسی کے قول کے تحت حسن کہتے ہیں۔(الترغیب والترھیب جلد 2 صفحہ 304 طبع بیروت)

امام ابو داود اپنی سنن میں عطیہ سے روایات نقل کرتے ہیں اور ان پر سکوت کرتے ہیں۔ ع1

ع1 یہ ایک قاعدہ علمائے اہلِ سنت نے نقل کیا ہے کہ جب امام ابوداؤد کوئی روایت

(سنن ابوداود جلد 4 صفحہ 190 حدیث 3999 جلد 4 صفحہ 333 حدیث 4344 جلد 4 صفحہ 189 حدیث 3998)

{بقیہ حاشیہ} لکھیں اور اس پر کوئی کلام نہ کریں تو ان کے نزدیک وہ حدیث حسن ہوتی ہے۔

قال النووی فی الخلاصہ ھو فیہ جھالۃ لکن الاحادیث لم یضعفہ ابو داود فھو حسن عندہ۔ نووی نے خلاصہ میں کہا کہ فلاں راوی مجہول ہے لیکن ابوداود نے اس سے روایت نقل کی اور اس کو ضعیف کہا جو اُن کے نزدیک احسن روایت ہے۔ (نصب الرایہ جلد 1 صفحہ 89 امام زیلعی)

ملا علی قاری حنفی اسی تحسین والے قاعدہ کو امام منذری، امام نووی، امام ابن عبدالبر، ابن مندہ، ابن سکن اور امام حاکم سے نقل کرتے ہیں۔
(مرقاۃ شرح مشکاۃ جلد 1 صفحہ 73 طبع بیروت)

امام شوکانی اسی قاعدہ کو نقل کر کے ساتھ لکھتے ہیں ولیس فیہ اسنادہ مطعن بل رجالہ رجال الصحیح ۔یعنی اس قاعدہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ابوداود کے خاموش رہنے کا مطلب ہے کہ اس کی اسناد میں کوئی طعن یا مسئلہ بلکہ اس کے رجال (راوی) رجال الصحیح ہیں۔ (نیل الاوطار جلد 2 صفحہ 357)

اسی طرح امام ترکمانی حنفی کافی جگہوں پر اِسی قاعدہ سے استدلال کرتے نظر آتے ہیں جو اِس بات کی دلیل ہے یہ کہ یہ قاعدہ راجح ہے، ملاحظہ ہوں:

ملا علی قاری حنفی عطیہ کو ولھو من اجلاء التابعین ۔یعنی عطیہ جلیل تابعین میں سے ہے یہ کہہ کر اس کی توثیق کرتے ہیں۔

(شرح مسند ابی حنیفہ میں 292 طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن الھمام حنفی لکھتے ہیں :

عطیه العوفی ضعفه احمد وغیره، والترمذی یحسن حدیثه فهو مختلف فیه فحدیث حسن۔

عطیہ العوفی کو احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے پس یہ مختلف فیہ ہے پس (اس کی) حدیث حسن ہے

(شرح فتح القدیر جلد 7 صفحہ 96،95 طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

عطیہ بن سعد العوفی امام اعظم کا اُستاد :

آخر میں ہم ایک اہم بات نقل کر دیں کہ عطیہ بن سعد العوفی امام اعظم ابوحنیفہ کے اُستاتذہ میں سے ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد 10 صفحہ 449 تہذیب الکمال جلد 19 صفحہ 419)

اور یہ بات خود علمائے اہلِ سنت نے لکھی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے تمام کے تمام اساتذہ وشیوخ ثقہ تھے۔

{بقیہ حاشیہ}(الجواہر النقی شرح سنن البیہقی جلد 1 صفحہ 178، جلد 2 صفحہ 338، جلد 9 صفحہ 328، جلد 10 صفحہ 299،271 طبع دار لفکر)

(1)۔امام اعظم ابوحنیفہ کے حیرت انگیز واقعات صفحہ 199 مولانا عبدالقیوم حقانی اُردو۔

(2)۔امام اعظیم ابوحنیفہ صفحہ 36 امام سیوطی اُردو

(3)۔انوارات صفدر صفحہ 325 مولانا محمد صفدر اوکاڑوی دیوبندی

(4)۔اعلاء السنن جلد 8 صفحہ 238 علامہ ظفر تھانوی دیوبندی طبع کراچی

(5)۔امام شعرانی اپنی کتاب طبقات میں ابوحنیفہ کے عنوان کے تحت یہ بات لکھتے ہیں۔

(6)۔امام ابوزہرہ مصری بھی اپنی کتاب ابوحنیفہ میں کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سوائے ثقہ کے کسی سے روایات نہیں لیتے تھے۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ کے معاصر سفیان ثوری کہتے ہیں :

لم اجده اخذت فی بسنة رسول الله والاثار الصحاح عنه التی فشت فی ایدی الثقات عن الثقات۔

ابوحنیفہ نے جو کچھ سنتِ رسول ؐ سے اخذ کیا وہ صحیح آثار سے کیا جو کچھ ہمارے ہاتھ میں ہے اور وہ ثقہ راویوں کی ثقہ راویوں سے ہی روایت لیتے تھے۔

(الانتقاء فی فضائل الثلاثة الفقهاء صفحہ 264 امام ابن عبدالبر طبع مکتب المطبوعات الاسلامیہ)

اسی طرح خود امام حنیفہ سے بھی روایات آئی ہیں کہ :

اذا جاء الحدیث الصحیح الاسناد عن النبی علیه السلام اخذ

بہ۔
جب کوئی حدیث صحیح سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آتی ہے تو میں اسے اخذ
کرتا ہوں۔
(الانتقاء فی فضائل الثلاثہ الفقہاء صفحہ 268،267 امام ابن عبدالبر طبع مکتب
المطبوعات الاسلامیہ)

باقی اگر اہلِ علم حضرات امام ابی حنیفہ کی عطیہ بن سعد سے روایات دیکھنا چاہیں تو مسند امام ابوحنیفہ لابی نعیم اصفہانی کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

اگلے راوی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

یہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جید اصحاب میں سے ہیں جن کے حالات الاستیعاب، اسد الغابہ، الاصابہ وغیرہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

اس روایت پر اعتراضات :

اب ہم اس روایت پر کئے جانے والے اعتراضات کی طرف آتے ہیں اور ان کے مفصل جوابات قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر 1 :

سورہ بنی اسرائیل مکی سورہ ہے جبکہ خیبر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدنی زندگی میں فتح ہوا تو یہ اس مکی سورہ کی آیت کی یہ تفسیر کیسے ممکن ہے ؟ جبکہ فدک 7 ہجری میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو یہ آیت مکی اور فدک کا حصول مدینہ میں ؟

جواب :

مکی سورتوں میں مدنی آیات ہونا اور مدنی سورتوں میں مکی آیات کا ہونا کوئی بعید نہیں اس کی مزید تفصیل الاتقان فی علوم قرآن جلد 1 صفحہ 52 اُردو ترجمہ طبع کراچی میں دیکھ سکتے ہیں باقی یہاں ہدیتاً ہم ایک قول نقل کرتے ہیں تا کہ معاملہ صاف ہوجائے کہ اہلِ سنت کے علوم قرآن کے مایہ ناز عالم علامہ زرکشی لکھتے ہیں :

وممایذکرہ المفسرون من اسباب متعددۃ لنزول الآیۃ قد یکون من ھذا الباب لا سیما وقد عرف من عادۃ الصحابۃ والتابعین ان احدھم اذا قال نزلت ھذہ الآیۃ فی کذا فانہ یرید بذلک ان ھذہ الآیۃ تتضمن ھذا الحکم لا ان ھذا کان السبب فی نزولھا۔

اور جو مفسرین ایک آیت کے نزول کے اعتبار سے کافی سارے اسباب کو نقل کرتے

ہیں وہ اس قبیل کے ہوتے ہیں خاص طور سے صحابہ اور تابعین کی یہ عادت تھی کہ جب ان میں سے کوئی ایک کہتا ہے کہ یہ آیت اس مسئلہ میں نازل ہوئی تو ان کی مراد اس آیت کے عمومی حکم کا انطباق کرنا ہوتا ہے نا کہ خاص نزول کا۔

(البرہان فی علوم القران صفحہ 31،32)

تو یہاں یہ اعتراض تو صاف ہوا کہ اگر اِس آیت کو مکی بھی مان لیا جائے تو بھی اس کے خاص نزول کی تطبیق مدینہ میں ہوسکتی ہے۔اب ہم علماء اہلِ سنت کی تصریحات کی طرف آتے ہیں کہ بنی اسرائیل مکی سورہ ہے لیکن اس کی مذکورہ آیت نمبر 26 مدنی ہے۔

(1)۔ تفسیر ابی السعود جلد 5 صفحہ 154 طبع بیروت

(2)۔ تفسیر رُوح المعانی جلد 15 صفحہ 2 طبع بیروت

(3)۔ تفسیر التحریر والتنویر جلد 15 صفحہ 6

(4)۔ التسھیل لعلوم التنزیل جلد 1 صفحہ 480 امام ابن الجزی کلبی طبع بیروت

(5)۔ تفسیر جلالین صفحہ 364 طبع قاہرہ

(6)۔ تفسیر الکشاف جلد 3 صفحہ 491 امام زمخشری

اعتراض نمبر 2 :

اس روایت میں عطیہ بن سعد العوفی ضعیف راوی ہے کیونکہ جمہور علماء نے اسے ضعیف کہا۔

جواب :

جمہور علماء کا عطیہ کو ضعیف کہنا فائدہ مند نہیں جب تک اس پر جرح مفسر ثابت نہ ہو جیسا کہ ہم نے شروع میں مقدمہ نمبر 6 بنایا ہے لہٰذا اس کی طرف رجوع کی جائے باقی جو جروح نقل کی جاتی ہیں ان کا مفصل جواب آگے آرہا ہے۔

اعتراض نمبر 3 :

امام ابن حجر عسقلانی نے تقریب التہذیب میں کہا ہے کہ عطیہ العوفی صدوق ہے لیکن بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا اور تدلیس کرتا تھا۔ امام ابن حجر عسقلانی نے طبقات المدلسین میں لکھا کہ عطیہ قبیح تدلیس کرتا تھا اور اس کا حافظہ بہت برا تھا اور یہ جرح مفسر ہیں۔

جواب :

سب سے پہلے تو یہ کہ ابن حجر عسقلانی علماء متاخرین میں سے ہیں اور متاخرین کی جرح فائدہ نہیں دیتی جب تک متقدمین میں سے کسی نے وہ جرح نہ کی ہو جیسا کہ شروع میں مقدمہ نمبر 7 کی طرف رجوع فرمائیں۔

مزید یہ کہ ابن حجر عسقلانی خود عطیہ پر جرح کے معاملہ میں اضطراب کا شکار نظر آتے ہیں کیونکہ تقریب میں انہوں نے عطیہ کو صدوق، مدلس و یخطی کثیرا لکھا، طبقات المدلسین میں سیئ الحفظ اور مدلس القبیح۔ لکھا لیکن نتائج الافکار میں ان دونوں جروح سے رجوع کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

قلت ضعف عطیہ انما جاء من قبل التشیع و من قبل التدلیس

وھو فی نفسہ صدوق۔ مَیں کہتا ہوں کہ عطیہ کے ضعف پر صرف اس کا تشیع ہونا اور اس کی تدلیس ہے اور یہ بذات خود سچا ہے۔ (نتائج الافکار جلد 1 صفحہ 267)

اب قابل غور بات یہ کہ یہاں ابن حجر نے کلمہ حصر انما کے ساتھ فقط 2 ہی جروح نقل کیں جس سے باقی تمام جروح کی نفی ہوتی ہے کیونکہ انما کا لفظ ان دونوں کے علاوہ باقی تمام جروح کی نفی کر رہا ہے ع1۔

یعنی ابن حجر کے نزدیک باقی تمام جروح کسی کام کی نہیں تھیں اب اگر امام ابن حجر کے اقوال کو جمع کیا جائے تو کچھ یہ معاملہ ہوگا۔

(1)۔ عطیہ صدوق ہے، بہت غلطیاں کرتا تھا، مدلس تھا (تقرب التہذیب)

(2)۔ عطیہ سیء الحفظ اور قبیح مدلس تھا (طبقات المدلسین)

ع1 لسان العرب جلد 13 صفحہ 31 میں ہے کہ ومعنی انما اثبات لما یذکر بعدھا ونفی لما سواہ کقولہ وانما یدافع عن احسابھم انا ومثلی المعنی یایدافع عن احسابھم الا انا او من ھو مثلی ۔یعنی انما اپنے بعد آنے والے ذکر کا اثبات کرتا ہے اور اس کے علاوہ کی نفی بھی کرتا ہے جیسا کہ کہا جائے مَیں اور میری طرح دوسرے اپنے مقام کا دفاع کرتے ہیں تو اس کا اصل مطلب انما کی وجہ سے ہوگا کہ کوئی اپنی عزت کا ایسا دفاع نہیں کرتا جیسا کہ مَیں اور میری طرح دوسرے کرتے ہیں۔

انما کی یہی تعریف امام محمد عبداللہ الغزی نے بھی لکھی ہے کہ : وتری آئمۃ النحویقولون : انما تاتی اثباتا لما یذکر بعدھا ونفیا لما سواہ ۔نحو کے اماموں نے کہا ہے کہ انما اپنے بعد میں کئے جانے والے ذکر کا اثبات کرتا ہے اور اس کے غیر یا علاوہ کی نفی بھی کرتا ہے۔(الفصول الی قواعد الاصول صفحہ 323 طبع بیروت)

(3)۔ عطیہ پر صرف (انما حصر کے ساتھ) تشیع اور تدلیس کی جروح ہیں (نتائج الانکار)

(4)۔ عطیہ کی حدیث حسن ہے جس کا عطیہ کی توثیق میں حوالہ دیا گیا (نتائج الانکار)

اَب اگر دیکھا جائے تو اِبن حجر نے خود باقی تمام جروح کی نفی کر دی لیکن اس کے باوجود ہم کچھ اقوال نقل کرتے ہیں یہاں تا کہ مزید تشفی کی جا سکے۔

حافظ زبیر علی زئی اہلِ حدیث لکھتے ہیں کہ حافظ اِبن حجر کی جرح و تعدیل میں تعارض ہے اس لئے دونوں اقوال ساقط ہیں۔ (مقالات الحدیث صفحہ 357 اُردو)

یہاں یہ تو ثابت ہوا کہ اِبن حجر کے تضاد کی صورت میں دونوں اقوال ساقط ہوں گے

امام احمد رضا خان بریلوی کے نزدیک کسی راوی کا غلطیاں کرنا یا سیء الحفظ ہونا مطلقاً اس کی تضعیف نہیں کرتا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ 185،181 اُردو)

ہماری تحقیق کے مطابق علامہ اِبن حجر نے جرح کے معاملہ میں بہت زیادہ غلطیاں کی ہیں اِسی لئے اُن کی کتاب تقریب التہذیب کے تعاقب میں شیخ شعیب ارنووط اور بشار عواد معروف نے تحریر تقریب التہذیب 4 جلدوں میں لکھی۔

مزید اِبن حجر کے تناقضات، اغلاط یا تعصب پر مبنی جروح دیکھنی ہوں تو علامہ حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی کی کتاب نور الصباح کا مطالعہ کریں۔ تو اس پر ختمی کلام یہ کہ اِبن حجر عسقلانی کی جرح مفسر کسی کام کی نہ رہی باقی تدلیس والی جرح کا جواب ہم آگے جا کر دیں گے۔

اعتراض نمبر 4 :

امام دار قطنی نے عطیہ العوفی کو مضطرب کہا ہے یہ بھی جرح مفسر ہے۔

جواب :

امام دار قطنی نے عطیہ کو مضطرب کہا ہے اور کیسے کہا ذرا وہ ملاحظہ کریں :

س 2289 وسئل عن حديث عطية عن ابی سعيد فی قوله

تعالی " سارهقه صعودا "

فقال يرويه عمار الدهنی عن عطية واختلف عنه فرواه شريك

عن عمار عن عطية عن ابی سعيد مرفوعا و رواه عبيدة بن حميد

وابن عيينه عن عمار موقوفا

و كذلك رواه ابراهيم بن مهاجر عن عطية عن ابی سعيد موقوفا

و عطية مضطرب الحديث ورواه عمرو بن قيس الملائی عن عطية

عن ابی سعيد مرفوعا۔

(العلل الوارده فی الاحاديث النبويه جلد 11 صفحہ 290،291)

اَب اس میں امام دار قطنی نے عطیہ پر جرح کی کے کبھی وہ ابوسعید سے موقوفا روایت کرتا ہے کبھی مرفوعا روایت کرتا ہے لہٰذا عطیہ مضطرب الحدیث ہے۔

جب ہم یہاں یہ صورت حال دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ دار قطنی خود اِس معاملہ میں مضطرب نظر آتے ہیں کیونکہ مرفوع اور موقوف دونوں کو دار قطنی ابوسعید؛

چھوڑ رہے ہیں اس سے آگے کچھ نہیں لکھا کہ نبی تک کون سی حدیث مرفوعاً گئی اور ابو سعید تک کون سی موقوفاً رکی اور سب سے اہم بات کے آیت کے الفاظ نقل کر لئے گئے لیکن اس کی تفسیر کے الفاظ کا کچھ پتہ نہیں کہ کس تفسیر کا ذکر ہو رہا ہے یہاں لہٰذا یہ جرح تو بذاتِ خود اضطراب کا شکار نظر آتی ہے۔

مزید یہ کہ موقوف اسناد میں ابن عیینہ مدلس ہے اور یہ عن سے روایت کر رہے ہیں اور اسی طرح ابراہیم بن مہاجر البجلی کا بھی حافظہ ٹھیک نہیں تھا اور اضطراب کا شکار تھا (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم) لہٰذا موقوف اسناد میں سے صرف ایک رہ جاتی ہے عبیدہ بن حمید عن عمار موقوفا۔

اسی طرح مرفوع اسناد میں شریک خطا کار اور مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے لہٰذا ضعیف ہے تو اس کی بھی ایک ہی سند رہ جاتی ہے

عمرو بن قیس الملائی عن عطیہ عن ابی سعید مرفوعا۔

اب اس میں بھی موقوف سند میں عبیدہ بن حمید کا حفظ ٹھیک نہیں اور یہ غلطیاں کرتا تھا۔

جیسا کہ یعقوب بن شیبہ نے کہا کہ لم یکن من الحفاظ المتقین۔

یہ کوئی متقی حفاظ میں سے نہ تھا۔

(تہذیب الکمال جلد 19 صفحہ 257،262 حاشیہ سنن سعید بن منصور جلد 1 صفحہ 62 ڈاکٹر سعد آل حمید)

اس کے علاوہ علماء اس کو خطاء کار بھی لکھتے ہیں۔

(تحفۃ الاحوزی جلد 1 صفحہ 417 عبدالرحمٰن مبارک پوری طبع دار الفکر، شرح سنن

النسائی جلد 4 صفحہ 374 شیخ محمد بن علی الولوی، تقریب التہذیب صفحہ 654 ابن حجر)
لہٰذا ایک ہی سند مرفوعارہ جاتی ہے باقی تمام اسنادعمرو بن قیس الملائی کی مرفوع
روایت کے برابر نہیں آتی جبکہ اضطراب کے اثبات کے لئے تمام مختلف اسناد کا ایک
جیسا قوی ہونا ضروری ہے۔

مزید یہ کہ ناقدین یا جارحین کو جرح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ متشدد (شدید) یا
متعصب نا ہو لیکن امام دارقطنی کا شمار متعصبین علماء میں ہوتا ہے لہٰذا یہ جرح ثابت بھی
ہو تو کسی کام کی نہیں اہلِ سنت علماء جنہوں نے دارقطنی کے علماء متعصبین میں سے ہونے
کی تصریح کی۔

(1)۔ الرفع والتکمیل صفحہ 23 عبدالحیٔ لکھنوی طبع مکتبہ ابن تیمیہ

(2)۔ ردالمحتار جلد 1 صفحہ 148 طبع ریاض

(3)۔ دراصات اصولیہ صفحہ 244 ڈاکٹر حنفاوی طبع دارلوفا

(4)۔ فواتح الرموت جلد 2 صفحہ 190 علامہ عبدالعلی انصاری لکھنوی طبع بیروت

(5)۔ خیر الاصول صفحہ 12 اُردو، خیر محمد جالندھری

(6)۔ تجلیات صفدر جلد 2 صفحہ 72 علامہ صفدر اوکاڑوی دیوبندی اُردو

(7)۔ تجلیات صفدر جلد 7 صفحہ 81 صفدر اوکاڑوی اُردو

(8)۔ قواعد فی علوم الحدیث صفحہ 193 ظفر عثمانی تھانوی دیوبندی

(9)۔ امام بدرالدین عینی حنفی دارقطنی سے ابوحنیفہ پر جرح نقل کرنے کے بعد لکھتے
ہیں کہ ان کا فاسد تعصب ہے اور جو ابوحنیفہ کو ضعیف کہے وہ خود مستحق ہے کہ اُس کو

ضعیف کہا جائے۔ (البنایہ شرح الھدایہ جلد 2 صفحہ 372 طبع دار الفکر)

(10)۔ امام ابن الجوزی کہتے ہیں کہ دار قطنی کی تضعیف کو اس وقت تک قبول نہ کیا جائے جب تک وہ اس کا سبب نص کے ساتھ بیان نہ کریں۔

(فیض القدیر جلد 1 صفحہ 37 امام مناوی محقق احمد عبد السلام)

آخری بات یہ کہ کسی راوی پر مضطرب کی جرح ہو تو لازمی نہیں کہ اس کی ہر حدیث ہی مضطرب ہو یا ہر حدیث ہی مردود ہو جیسا کہ بخاری مسلم کے کچھ راویان پر بھی مضطرب الحدیث کی جرح ہے جیسا کہ **المقترب فی بیان المضطرب** میں اعمش، عبید اللہ بن موسیٰ، امام عبد الرزاق بن صنعانی جیسے آئمہ کو مضطرب کہا گیا ہے تو کیا اس کی وجہ سے ان کی تمام روایات کو اور امام عبد الرزاق کی المصنف کو دریا بُرد کر دیا جائے گا ؟؟

ایک اہم حوالہ کہ امام ابو حنیفہ کو امام مسلم صاحب صحیح مسلم نے مضطرب الحدیث کہا ہے۔ (الکنی والاسماء صفحہ 276 امام مسلم طبع مدینہ)

لہذا امام دار قطنی کی عطیہ پر مضطرب الحدیث کی جرح کسی کام کی نہیں یہی وجہ ہے کہ کسی بھی جارح نے دار قطنی سے یہ جرح عطیہ پر نقل نہیں کی بلکہ دار قطنی اس میں منفرد ہیں۔

اعتراض نمبر 5 :

عطیہ العوفی پر شیعہ ہونے کی جرح ہے لہذا شیعہ کی روایت اپنے مذہب کی موافقت میں قبول نہیں۔

جواب :

عطیہ کو شیعہ کہا گیا ہے جبکہ شیعہ ہونا کوئی جرح نہیں بخاری مسلم میں رواۃ کا جم غفیر ہے

جو شیعہ ہیں۔

جیسا کہ امام سیوطی لکھتے ہیں :

قال الحاکم و کتاب المسلم ملآن من الشیعہ۔

امام حاکم نے کہا ہے کہ صحیح مسلم شیعہ راویوں سے بھری ہوئی ہے۔

(تدریب الراوی صفحہ 385 مکتبہ الکوثر)

اس کے علاوہ امام احمد رضا خان بریلوی بھی کہتے ہیں کہ شیعہ ہونا کوئی جرح نہیں بلکہ

بخاری مسلم کے کتنے راوی شیعہ ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ 304 اُردو)

کچھ کے نام ہم یہاں درج کرتے ہیں محقق حضرات ان کی تحقیق کر سکتے ہیں :

خالد بن مخلد ، عبیداللہ بن موسیٰ ، فضل بن دکین ، عبدالرزاق بن ہمام

(صاحب المصنف) عدی بن ثابت، عبدالملک بن اعین وغیرہم۔

علاوہ ازیں کوئی شیعہ راوی یا بدعتی راوی اپنے حق میں یا اپنے مذہب کے موافق بھی

روایت نقل کرے تو وہ قابلِ قبول ہے تفصیل کے لئے شروع میں مقدمہ نمبر 2 کی

طرف رجوع فرمائیں۔

اعتراض نمبر 6 :

امام عجلی نے عطیہ کو ثقہ کہا ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہا کہ لیس بالقوی یعنی یہ قوی نہیں

ہے اور اس کے علاوہ ابن حبان، ابن عدی اور احمد بن حنبل وغیرہ نے اس پر تدلیس کی

جرح بھی کی ہے یہ بھی جرح مفسر ہیں۔

جواب :

عطیہ کو امام عجلی نے لیس بالقوی کہا ہے تو ہمارا جواب ہے کہ لیس بالقوی کوئی جرح مفسر نہیں جس سے راوی ضعیف ثابت ہو اور اُس کی تصریحات خود علمائے اہلِ سنت نے کی ہیں۔

امام مقبل بن ہادی الوداعی لکھتے ہیں کہ لیس بالقوی جرح مفسر نہیں۔
(المتقرح صفحہ 101 طبع دالاثار)

امام ذہبی لکھتے ہیں کہ لیس بالقوی جرح مفسد نہیں بلکہ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس سے احتجاج کیا جائے گا۔ (الموقظہ فی علم مصطلح الحدیث صفحہ 82)

عمر بن مسعود الحدوشی نے کافی سارے اقوال نقل کئے کہ لیس بالقوی جرح مفسر ومفسد نہیں۔ (شفاء التبر تح من داء التجر تح صفحہ 217)

ارشاد الحق اثری اہلِ حدیث بھی لیس بالقوی کو جرح غیر مفسد وغیر مفسر لکھتے ہیں

(توضیح الاحکام صفحہ 169 اُردو ترجمہ)

لہٰذا ثابت ہوا کہ امام عجلی کا عطیہ کو لیس بالقوی کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ توثیق راجح ہے۔ مزید یہ کہ عطیہ پر تدلیس کی جرح ہے تو جب ہم اس کی تحقیق کرتے ہیں تو تدلیس کی جرح کی اصل کیا ہے جیسا کہ مجروحین اِبن حبان، الکامل اِبن عدی، العلل فی معرفۃ الرجال لاحمد بن حنبل، تہذیب الکمال وغیرہ میں ہے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ عطیہ پر تدلیس کا قول صرف ایک ہی طرق سے آیا ہے کہ محمد بن سائب کلبی کہتا

ہے کہ عطیہ مجھ سے روایت لیتا تھا اور میری کنیت ہے ابوسعید لیکن وہ میری کنیت ابوسعید خدری کردیتا تھا جیسا کہ کتب الرجال میں آیا ہے :

سمعت الکلبی یقول کنانی عطیۃ اباسعید۔

کلبی سے سنا کہ اُس نے کہا کہ عطیہ ابوسعید کہہ کر میری کنیت بیان کرتا ہے۔

(العلل لامام احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 118 طبع ریاض)

اب اِس میں لطف کی بات یہ کہ محمد بن سائب کلبی ابوسعید بذاتِ خود ایک ضعیف اور کذاب راوی ہے جیسا کہ جوز جانی، اِبن حبان، سلیمان بن طرخان، بیہقی اور دیگر علماء اس کو کذاب کہتے ہیں۔

(الجرح والتعدیل اِبن ابی حاتم جلد 7 صفحہ 270 احوال الرجال للجوزجانی صفحہ 8 مجروحین ابن حبان جلد 2 صفحہ 253 الاسماء والصفات للبیہقی جلد 2 صفحہ 312)

لہٰذا جب تدلیس والی بات کا مرکزی راوی محمد بن سائب کلبی کذاب ہے تو اس کذاب کی بات کو کیسے مانا جائے کہ عطیہ اس سے روایات لے کر نسبت ابوسعید خدری کی طرف کرتا تھا ؟

تو پتہ چلا کہ عطیہ پر تدلیس والی جرح کی کوئی اصل نہیں اور جن علماء نے عطیہ کو مدلس کہا انہوں نے کلبی کی اِسی بات سے دھوکہ کھایا ہے۔

اعتراض نمبر 7 :

امام یحیٰ بن معین نے عطیہ کو لیس بہ باس کہہ کے توثیق کی لیکن ایک جگہ ضعیف بھی کہا۔

جواب :

امام ابن معین نے عطیہ کو ثقہ کہا لیکن انہی سے عطیہ کی تضعیف والا قول بھی نقل ہوا ہے۔

حدثنا علی بن احمد بن سلیمان حدثنا ابن ابی مریم سالت یحیٰ بن معین عن عطیه العوفی فقال ضعیف الا انه یکتب حدیثه

(الکامل فی الضعفاء الرجال جلد 8 صفحہ 582 طبع مکتبۃ الرشید)

امام ابن معین جب کسی راوی کو ثقہ بھی کہیں اور اس کو ضعیف بھی کہیں تو یہ ایک قاعدہ جلیلہ ہے جس کا مطلب ہے کہ امام ابن معین سے جب اس ثقہ راوی اور اس سے کسی اعلیٰ راوی کی بابت پوچھا جاتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ دوسرے کو زیادہ اعلیٰ کہیں وہ ادنیٰ کو ضعیف کہہ دیتے ہیں ہم اپنی طرف سے ایک مثال لکھتے ہیں تاکہ بات زیادہ واضح ہو زید کو امام ابن معین نے ثقہ کہا لیکن کسی مقام پہ ان سے پوچھا گیا کہ زید اور بکر میں سے زیادہ اعلیٰ پائے کا ثقہ کون ہے ؟ تو ابن معین زید کو ضعیف کہہ کر بکر کو اعلیٰ ثابت کریں گے اور یہاں ان کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوگا کہ زید مطلقاً ضعیف ہے لیکن یہ قاعدہ فقط ابن معین کے قول میں اختلاف کی صورت میں لاگو ہوگا جیسے یہاں عطیہ کا معاملہ ہے۔ہم ایک کتاب سے عبارت نقل کرتے ہیں اور باقی کتب کے نام درج کردیئے جائیں گے۔

فان ثبت ذلك فقد یکون سئل عنه و عمن فوقه فضعفه بالنسبة الیه وهذه قاعدة جلیلة فیمن اختلف النقل عن ابن معین فیه۔

(الرفع والتکمیل صفحہ 263 عبدالحیٔ لکھنوی طبع مطبوعات الاسلامیہ)

مزید اِن کتب کی طرف رجوع کیا جائے

(1)۔ بذل الماعون صفحہ 117 اِبن حجر عسقلانی طبع ریاض

(2)۔ القول السدید صفحہ 30 عبدالرحمن مبارک پوری طبع مکتبۃ السنہ اُردو

(3)۔ فتح المغیث جلد 2 صفحہ 131 امام سخاوی طبع مکتبۃ السنہ

لہٰذا علمائے اہلِ سنت کے مطابق اِبن معین کے اقوال میں تعارض کی صورت اس قاعدہ جلیلہ سے تطبیق کی جائے گی۔

پھر بھی اگر کہا جائے کہ اِبن معین نے تضعیف کی ہے تو فقط ضعیف کہنا کافی نہیں بلکہ جرح مفسر چاہیے جبکہ اِبن معین فقط ضعیف کہہ رہے ہیں جو جرح مبہم ہے شروع میں مقدمہ نمبر 6 کی طرف رجوع کیا جائے۔

اعتراض نمبر 8 :

جن علماء سے اِس کی توثیق ثابت کی گئی اُن علماء نے عطیہ کو کچھ مقامات پر ضعیف بھی کہا ہے۔

جواب:

جن علماء سے ہم نے عطیہ کی توثیق یا حسن الحدیث ہونا یا صحیح الحدیث ہونا دکھایا ان میں سے کچھ علماء نے عطیہ کو ضعیف بھی کہا ہے لیکن یہ بات جان لینی چاہیے کہ ہم نے علمی دلائل کی روشنی میں عطیہ پر کی جانے والی تمام جروح جو کہ مفسر ہیں ان کا رد کیا ہے لہٰذا علماء بے شک اس کو ضعیف کہیں اس کا کوئی اثر نہیں کیونکہ ضعیف کہنا جرح مبہم

ہے تو جب تک یہ جرح مفسر ثابت نہ ہوگی تب تک علماء کا اس کو ضعیف کہنا فائدہ مند نہیں بلکہ توثیق جرح پر مقدم ہوگی جیسا کہ مقدمہ نمبر 6 میں بیان کیا گیا ہے۔

یہاں تک بحمد اللہ ہم نے اس روایت پر کئے جانے والے تمام اعتراضات کے جوابات دے دیئے ہیں اور مذکورہ روایت کو بسند حسن ثابت کیا ہے کیونکہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

بطورِ استشہاد کچھ مزید روایات

مذکورہ بالا روایت ہمارا استدلال تھی اب ہم بطورِ استشہاد کچھ مزید اسناد نقل کرتے ہیں

(2)۔ مولا علی علیہ السلام کی روایت :

حدثنی ابو الحسن الفارسی، قال: حدثنا : الحسین بن محمد الماسرجسی، قال: حدثنا : جعفر بن سهل ببغداد قال: حدثنا: المنذر بن محمد القابوسی، قال: حدثنا: ابی، قال: حدثنا عمی، عن ابیه، عن ابان بن تغلب، عن جعفر بن محمد، عن ابیه، عن علی بن الحسین، عن ابیه، عن علی، قال: لما نزلت:

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا

(سورہ الاسراء آیت 26) دعا رسول الله فاطمة (ع) فاعطاها فدکا (شواہد التنزیل جلد 1 صفحہ 442 امام حاکم حسکانی حنفی)

(3)۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایت :

من کتاب المناقب الورق، حدثنا : عثمان بن محمد

الاثلغ ، قال : حدثنا : جعفر بن مسلم ، قال : حدثنا یحییٰ بن الحسن ، قال : حدثنا : ابان بن ابان بن تغلب ، عن ابی مریم الانصاری ، عن ابان بن تغلب ، عن جعفر بن محمد ، قال : لما نزلت هذه الآية : وَآتِ ذَالْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيراً (سورہ الاسراء آیت 26) دعا رسول الله (ص) فاطمة فاعطاها فدك ، قال ابان بن تغلب : قلت لجعفر بن محمد من رسول الله اعطاها ، قال : بل من الله اعطاها -

(شواہد التنزیل جلد 1 صفحہ 443)

(4)۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت :

اخبرنا : عقيل بن الحسين ، قال : اخبرنا : على بن الحسين ، قال : حدثنا : محمد بن عبيد الله ، قال : حدثنا : ابو مروان عبد الملك بن مروان قاضى مدينة الرسول بها سنة سبع واربعين وثلاث مائة ، قال : حدثنا : عبد الله بن منيع ، قال : حدثنا : آدم ، قال : سفيان ، عن واصل الاحدب ، عن عطاء ، عن ابن عباس ، قال : لما انزل الله : وَآتِ ذَالْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيراً (سورہ الاسراء آیت 26) دعا رسول الله (ص) فاطمة واعطاها فدكا وذلك لصلة القرابة -

(شواهد التنزيل جلد 1 صفحہ 570)

ہم نے اہلِ سنت کتب سے یہ چار اسناد نقل کی ہیں کہ جب سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 26 نازل ہوئی تو جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فدک جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا کو عطا کیا اب آگے دیکھیے کہ جناب سیدہ ع نے خود دعوی بھی کیا کہ فدک نبی ص نے مجھے عطا کیا۔

جنابِ سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا کا دعویٰ ہبہ

اَب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کو عطا کر دیا تھا لیکن بعد میں جب حضرت ابوبکر نے فدک پر قبضہ کرلیا تو جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا نے دعویٰ دائر کیا کہ اُن کے بابا نے فدک اُن کو عطا کر دیا تھا لیکن حضرت ابوبکر نے اُن سے گواہ طلب کئے لیکن گواہ پیش کرنے پر بھی اُن کو فدک نہ دیا گیا اب ہم ان روایات کی طرف آتے ہیں۔

حدثنا محمد بن عبداللہ ابن الزبیر قال حدثنا فضیل بن مرزوق قال حدثنی النمیری بن حسان قال قلت لزید بن علی رحمة اللہ علیہ وانا ارید ان اھجن امر ابی بکر ان ابا بکر رضی اللہ عنہ انتزع من فاطمة رضی اللہ عنھا فدك فقال ان ابا بکر رضی اللہ عنہ کان رجلا رحیما وکان یکرہ ان یغیر شیئا ترکہ رسول اللہ فاتتہ فاطمة رضی اللہ عنھا فقالت ان رسول اللہ اعطانی فدك فقال لھا ھل لك علی ھذا بینة فجائت بعلی رضی اللہ عنہ فشھد لھا ثم جائت بام ایمن فقالت الیس تشھد انی من اھل الجنة قال بلی قال ابو احمد یعنی انھا قالت ذاك لابی بکر وعمر رضی اللہ عنھما قالت ان النبی اعطاھا فدك فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ فبرجل وامراۃ تستحقینھا او تستحقین بھا القضیة قال زید بن علی وایم اللہ لو رجع الامر الی لقضیت فیھا بقضاء ابی بکر

رضی اللہ۔

نمیری بن حسان کہتے ہیں کہ مَیں نے ارادہ کیا کہ مَیں حضرت ابوبکر کی برائی کروں تو میں نے حضرت زید بن علی سے کہا کہ حضرت ابوبکر نے جناب سیّدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا سے فدک چھین لیا تھا پس حضرت زید نے کہا کہ ابوبکر ایک رحیم انسان تھے انہوں نے ایسا کچھ کرنے سے کراہت محسوس کی جو نبی نے نہیں کیا پس ان کے پاس جناب سیدہ سلام اللہ علیہا آئیں اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فدک عطا کیا تھا تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ آپ کے پاس کوئی گواہ ہیں ؟

تو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے حضرت علی علیہ السلام کی گواہی پیش کی پھر جناب اُم ایمن نے بھی گواہی دی اور فرمایا کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ مَیں جنتی ہوں؟ حضرت ابوبکر نے کہا جی ہاں۔۔۔ تو اُم ایمن نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو فدک عطا کیا تھا پس حضرت ابوبکر نے جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا سے کہا کہ آپ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے آپ اِس قضیہ (فدک) کی حقدار بنا چاہتی ہیں ؟

آگے زید بن علی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مَیں ابوبکر کی جگہ ہوتا تو ویسا ہی کرتا جیسا ابوبکر نے کیا۔

(تاریخ مدینۃ المنورہ جلد 1 صفحہ 124 حدیث 554 امام عمر بن شبہ طبع بیروت)

سند کی تحسین :

(1)۔ مذکورہ طبع بیروت والی چھاپ میں محقق علی محمد دندل اور یاسین سعد الدین

بیان اس روایت کی سند کو حسن قرار دیتے ہیں۔

(2)۔ اِسی تاریخ مدینۃ المنورہ کی سعودیہ کی چھاپ میں حدیث نمبر 40 ہے اور اس کے محقق موفق بن عبداللہ بن عبدالقادر اِس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔

اِس روایت پر اعتراضات

اِس روایت پر کیے جانے والے اعتراضات کے ہم علمی جوابات دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر 1 :

یہ روایت مرسل ہے کہ جناب زید بن علی نے یہ واقعہ نہیں دیکھا تو اس کو روایت کیسے کر رہے ہیں ؟

جواب :

جناب زید نے اِس واقعہ کو نہیں دیکھا لہٰذا یہ روایت مرسل ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جناب زید بن علی تابعی ہیں اور تابعی کی مرسل حجت ہے اور قابلِ قبول جیسا کہ شروع میں مقدمہ نمبر 3 دیکھا جا سکتا ہے۔

اعتراض نمبر 2 :

اِس کی سند میں نمیری بن حسان راوی مجہول ہے لہٰذا روایت ضعیف ہے۔

جواب :

اِس کی سند میں نمیری بن حسان مجہول ہے یعنی کتب الرجال میں اس کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔

تو اِس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہم نے 3 محققین سے اِس روایت کو حسن دکھایا

اور شروع میں ہم نے مقدمہ نمبر 1 بنایا تھا کہ روایت کی تصحیح یا تحسین اصل میں اس کے راویوں کی توثیق ہے لہٰذا اِس سند کو حسن کہا گیا تو نمیری بن حسان کی جہالت ختم ہو گئی۔

مزید یہ کہ زید بن علی تابعی ہیں تو ان سے روایت کرنے والا نمیری بن حسان تبع تابعی ہے لہٰذا قرونِ ثلاثہ میں راوی کا مجہول ہونا نقصان دہ نہیں جیسا کہ ہم نے شروع میں مقدمہ نمبر 4 بنایا ہے اُس کی طرف رجوع کیا جائے۔

اعتراض نمبر 3 :

اس میں تو جناب زید بن علی ایک جگہ فرمارہے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے نبی کی طرح عمل کیا اور دوسری جگہ فرماتے ہیں اگر مَیں ابوبکر کی جگہ ہوتا تو ایسا ہی کرتا تو یہ روایت تو خود آپ کے خلاف جارہی ہے۔

جواب :

ہم اِس کے جواب میں کہیں گے کہ ہم اس روایت کو اہلِ سنت پر دلیل بنا کر پیش کر رہے ہیں تاکہ اِس لئے کہ ہم اس روایت کو یا اِس کتاب کو مانتے ہیں اس روایت میں جو بھی لکھا ہو وہ ہرگز ہم پہ حجت نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ہماری کتاب ہی نہیں۔

اَب رہی بات کہ اس میں جناب زید نے حضرت ابوبکر کے بارے میں کیا کہا تو وہ بھی ہرگز ہم پہ حجت نہیں ہوسکتا۔ ہمارا استدلال ہے کہ جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا نے دعویٰ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک مجھے دیا تھا جس پر جناب امیر المومنین علی علیہ السلام اور جناب اُم ایمن نے گواہی دی اَب آگے جناب زید بن علی کی ذاتی رائے ہے جو اہلِ سنت

کے ہاں بھی حجت نہیں جیسا کہ علمائے اہلِ سنت لکھتے ہیں :

(1)۔ شیخ ابوالحسن عبید اللہ مبارکپوری لکھتے ہیں :

لان قول التابعی لیس بحجة بالاتفاق۔

بے شک تابعی کا (ذاتی قول بالاتفاق حجت نہیں)

(مرعاۃ المفاتیح جلد 3 کتاب الصلاۃ باب القرائۃ فی الصلاۃ طبع ہند)

(2)۔ شیخ ظفر احمد تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں :

قول التابعی لا حجة فیه۔

تابعی کا قول کوئی حجت نہیں۔ (اعلاء السنن جلد 8 صفحہ 15 طبع کراچی)

(3)۔ علامہ عبدالعلی انصاری لکھنوی لکھتے ہیں :

وعلینا اتباع قول التابعی فیه لا مطلقا۔

ہمارے ہاں تابعی کے ذاتی قول کے بارے میں مطلقا نہی ہے۔

(فواتح الرموت جلد 2 صفحہ 234 طبع بیروت)

(4)۔ علامہ ابوالخطاب کلوذانی حنبلی لکھتے ہیں :

قلنا : بقول التابعی لیس بحجة بخلاف الصحابی۔

ہم کہتے ہیں کہ تابعی کا قول جو صحابی کے خلاف ہو وہ حجت نہیں۔

(التمہید فی اصولِ الفقہ جلد 2 صفحہ 120 طبع سعودیہ)

تو کیونکہ زید بن علی کا یہ ذاتی قول ہے جو کہ حجت نہیں اور بالخصوص یہ قول تین صحابہ؍ صحابیات جناب امیر المومنین علی علیہ السلام جناب سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا اور جناب

اُم ایمن رضی اللہ عنہا کے خلاف ہے لہٰذا اس ذاتی قول کی اہلِ سنت کے اصول کے تحت کوئی حیثیت نہیں۔

اعتراض نمبر 4 :

جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا نے مزید گواہ پیش نہ کئے ؟

جبکہ اسلام میں ایک مرد اور 2 عورتوں کی گواہی چاہیے ہوتی ہے لہٰذا گواہی کا نصاب پورا نہ ہوا۔

جواب :

جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا کا گواہ پیش کرنا اور حضرت ابوبکر کا اس عذر سے اُن کی گواہی کو قبول نہ کرنا کہ نصاب مکمل نہیں جبکہ اکیلے صحابی کی گواہی اپنے حق میں بھی قبول ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ :

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ جب بحرین سے پیسہ آئے گا تو مَیں تمہیں اتنا اتنا تین لپ بھر کر دُوں گا لیکن جب وہ مال آیا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا اور وہ مال حضرت ابوبکر کے پاس آیا مَیں نے حضرت ابوبکر کے پاس دو چکر لگائے لیکن مال نہیں مِلا، پھر تیسری دفعہ گیا تو جا کے کہا کہ مَیں تیسری دفعہ آیا ہوں لیکن آپ مال نہیں دے رہے یا تو آپ کہہ دیں کہا آپ نہیں دینا چاہتے ۔۔۔ تو حضرت ابوبکر نے مجھے لپ بھر کر پیسہ دیا اور کہا کہ گِن لو وہ پانچ سو تھے پھر ابوبکر نے کہا اتنے ہی دو مرتبہ اور لے لو (تا کہ لب پورے ہو جائیں)

(بخاری شریف جلد 5 صفحہ 599 کتاب المغازی اُردو ترجمہ مولانا داود راز)

اس روایت کے متن سے ثابت ہے کہ صحابی سے گواہی نہیں مانگی جاتی ورنہ

کیوں جابر رضی اللہ عنہ سے گواہ طلب نہ کئے گئے ؟

مزید اسی کی شرح میں ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

وفیہ قبول خبر الواحد العدل من الصحابہ ولوجر ذلک نفعا لنفسہ لان ابابکر لم یلتمس من جابر شاھد علی صحۃ دعواہ

اِس میں صحابی کی عدالت پر خبر واحد کے قبول ہونے کا جواز ہے چاہے وہ خبر ان کے ذاتی نفع کی ہو اسی وجہ سے حضرت ابو بکر نے جابر رضی اللہ عنہ سے ان کے اِس دعویٰ کی صحت پر گواہ نہیں مانگا۔ (فتح الباری جلد 4 صفحہ 555 طبع سعودیہ)

اللہ اکبر۔۔۔ صحابی کی اپنے حق میں گواہی قبول ہے تو کیا جنابِ سیدہ ؑ صحابیہ نہ تھیں ؟

وہ جگر گوشہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تھیں ؟

کیوں اُن سے گواہ طلب کئے گئے ؟ ؟

جبکہ حدیث میں آیا ہے :

قالت عائشۃ : مارایت احداً قط اصدق من فاطمۃ غیر ابیھا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مَیں نے جناب سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا سے زیادہ سچا کسی کو نہیں دیکھا سوائے اُن کے والد کے۔ (مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 201)

اس کو نقل کرنے کے بعد امام ہیثمی کہتے ورجالھما رجال الصحیح۔

کہ اِس کی سند کے رجال صحیح ہیں۔

اس کے علاوہ امام حاکم المستدرک جلد 3 صفحہ 190 پر اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔

تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جب جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا سے زیادہ سچا روئے زمین پہ کوئی نہیں تھا تو ان صدیقہ سے کس بنیاد پہ گواہ طلب کئے گئے ؟

اور جب گواہ پیش بھی کر دیئے گئے تو نصاب کا عُذر کیوں پیش کیا گیا ؟؟

جبکہ شوہر کی گواہی بھی اپنی بیوی کے حق میں قبول ہے جیسا کہ امام نووی لکھتے ہیں :

تقبل شهادة احد الزوجين۔

میاں بیوی کی ایک دوسرے کے لئے گواہی مقبول ہے

(روضۃ الطالبین جلد 8 صفحہ 213 طبع دار عالم الکتب)

تو جب زوجین کی گواہی بھی مقبول ہے اور دعویٰ کرنے والی بھی صدیقہ گواہی دینے والا بھی صدیق تو نہ دینے کا مقصد کیا تھا؟

جواب قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

طبقات ابن سعد کی بسند معتبر روایت :

اسی پر ہم ایک اور روایت پیش کر رہے ہیں کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا کو دے دیا تھا یہ طویل روایت ہے لیکن فقط اختصار کے ساتھ اپنے مطالب بیان کریں گے۔

اخبرنا محمد بن عمر اخبر نا هشام بن سعد عن زيد بن اسلم عن ابيه قال لما كان اليوم الذى توفى فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم بويع لأبى بكر فى ذلك اليوم فلما كان من

الغد جائت فاطمة الی ابی بکر معها علی۔۔۔۔فتعلمین ان اباك
اعطا کها فو الله لئن قلت نعم لاقبلن قولك ولا صدقنك قالت
جائتنی ام ایمن فاخبرتنی انه اعطانی فدك قال فسمعة یقول هی
لك فاذا قلت قد سمعته فهی لك فانا اصدقك واقبل قولك قالت
قد اخبرتك ما عندی۔

حضرت عمر سے روایت ہے کہ جب رسولِ خداؐ کا وصال ہوا تو اُسی دن حضرت ابوبکر کی بیعت ہوئی تو اگلے دن جنابِ سیدہ زہراءؑ ابوبکر کے پاس آئیں اور اُن کے ساتھ حضرت علیؑ بھی تھے۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ پس آپ جانتی ہیں کہ آپ کے والد نے آپ کو فدک دے دیا تھا ؟

اگر آپ ہاں کہیں گی تو مَیں آپ کی تصدیق کروں گا اور قبول کروں گا جناب سیدہ زہراءؑ نے فرمایا کہ اُم ایمن میرے پاس آئیں اور مجھے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو فدک عطا کیا ہے۔

تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ کیا واقعی اُم ایمن نے ایسا ہی کہا تھا ؟

اگر آپ ہاں کہیں گی تو مَیں آپ کی تصدیق کروں گا اِس پر جناب سیدہ زہراءؑ نے فرمایا جو میرے پاس خبر تھی بتادی۔

(کتاب طبقات الکبیر جلد 2 صفحہ 274 طبع قاہرہ)

اس کی اسناد کے بارے میں امام سیوطی، امام الصالحی شامی اور علامہ علی متقی ہندی ایک ہی قول لکھتے ہیں :

ورجالہ ثقات سوی الواقدی۔

اور اس کے رجال ثقہ ہیں سوائے (پہلے راوی محمد بن عمر) واقدی کے۔

(جامع الاحادیث جلد 1 صفحہ 96 امام سیوطی طبع دار الفکر، سبل الهدی والرشاد جلد 12 صفحہ 370 امام صالحی طبع بیروت ، کنز العمال جلد 5 صفحہ 623 طبع موسسۃ الرسالہ)

اَب ہم اس پر اعتراض نقل کرتے ہیں اور ان کے جوابات لکھتے ہیں۔

اعتراض نمبر 1:

اس کی سند میں محمد بن عمر الواقدی ضعیف راوی ہے لہٰذا یہ روایت قابل استدلال نہیں

جواب :

محمد بن عمر الواقدی مختلف فیہ راوی ہے کچھ علماء اس کو مطلقاً ثقہ کہتے ہیں اور جو اس کو ضعیف کہتے ہیں وہ حدیث کے معاملہ میں ضعیف کہتے ہیں لیکن تقریباً ہر تاریخ ،غزوات وسیرت کے عالم نے اِس پر اعتماد کیا ہے اور اس سے حوالہ جات اخذ کئے ہیں ہم حوالہ جات نقل کرتے ہیں :

امام رضا خان بریلوی الامام الثقہ محمد بن عمر بن واقد کہہ کر مطلقا اس کی توثیق کرتے ہیں۔ (الامن والعلا صفحہ 92 لامام احمد رضا)

سعودیہ کے موجودہ عالم شیخ حسن بن فرحان مالکی لکھتے ہیں :

ولو بحث فی کتب الجرح والتعدیل لوجد ان الواقدی وثقہ نحو سبعة من الائمہ المحدثین بل اسماء بعضهم امیر المومنین

فی الحدیث۔
اگر جرح وتعدیل کی کتب میں بحث کی جائے تو واقدی کو سات آئمہ محدثین نے ثقہ کہا ہے بلکہ بعض نے اس کو امیر المومنین فی الحدیث بھی کہا ہے۔
(نحو انقاذ فی التاریخ الاسلامی صفحہ 258)

امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

والمقبول فی المغازی عند اصحابنا۔
واقدی غزوات (یعنی تواریخ کے ابواب) میں ہمارے اصحاب کے مطابق مقبول ہے۔ (تلخیص الجبیر جلد 2 صفحہ 554 طبع موسسہ قرطبہ)
امام ذہبی سیر اعلام النبلاء میں کافی علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں :
محمد بن سلام کہتے ہیں کہ واقدی اس دہر کا عالم ہے ،
حربی کہتے ہیں کہ اسلام کے معاملہ میں یہ سب سے بڑے عالم ہیں ،
مصعب الزبیری کہتے ہیں کہ اس کے مثل کوئی نہیں ،
دراوردی اس کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں ،
مصعب بن عبداللہ اس کو ثقہ مامون کہتے ہیں ،
یزید بن ہارون اسے ثقہ کہتے ہیں ،
ابوعبداللہ اسے ثقہ کہتے ہیں ابرہیم الحربی اسے امامِ کبیر کہتے ہیں

آخر میں امام ذہبی کا اپنا قول :

وقد تقرر ان الواقدی ضعیف یحتاج الیہ فی الغزوات والتاریخ۔

واقدی ضعیف ہے لیکن اس سے تاریخ اور غزوات میں احتجاج کیا جاتا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء جلد 6 صفحہ 456۔۔469 طبع بیروت)

علامہ یاقت حموی الرومی اسی واقدی کے حالات میں کہتے ہیں :

اما فی اخبار الناس والسیر والفقه والسائر الفنون فهو ثقه باجماع۔

لوگوں کے حالات، سیرت، فقہ اور تمام فنون میں واقدی بالاجماع ثقہ ہے۔

(معجم الادباء صفحہ 2596 طبع دار الغرب اسلامی)

امام ابو سعد السمعانی لکھتے ہیں :

مشرق سے لے کر مغرب تک کسی سے مخفی نہیں کہ اور تمام اس کے اخبار الناس کے بارے میں جانتے ہیں بلکہ فنون علم میں سے غزوات، سیرت، طبقات اور واقعات جو نبی کی زندگی میں ہوئے یا ان کے بعد پیش آئے میں تمام لوگ ان کے ساتھ ساتھ چلے ہیں۔

(الانساب جلد 12 صفحہ 211 طبع قاہرہ)

امام ابو بکر خطیب بغدادی نے بھی واقدی کی انہی الفاظ میں تعریف کی۔

(تاریخ بغداد جلد 4 صفحہ 6 طبع دار الغرب الاسلامی)

حافظ ابو الفتح یعمری لکھتے ہیں :

وکان عالما بالمغازی واختلاف الناس واحادیثهم۔

اور یہ غزوات کا عالم تھا اور علماء کا اس کے اور اس کی احادیث کے بارے میں اختلاف

(عیون الاثر جلد 1 صفحہ 68 طبع بیروت)

امام ابن کثیر بھی کہتے ہیں کہ واقدی اونچی شان والے آئمہ میں سے ہے۔

اور فی نفسہ صدوق ہیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد 3 صفحہ 246 طبع بیروت)

اعتراض نمبر 2 :

یہاں جناب زہراء سلام اللہ علیہا فرما رہی ہیں کہ مجھے اُم ایمن رضی اللہ عنہا نے خبر دی تو کیا جناب سیّدہ کو خود معلوم نہیں تھا ؟

جواب :

یہاں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا اُم ایمن کے حوالہ سے یہ کہنا کہ انہوں نے مجھے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو فدک عطا کیا ہے تو یہاں اس بات کی ہرگز نفی نہیں ہوتی کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو خود معلوم نہ تھا جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو فدک عطا کیا۔

لہٰذا یہاں یہ مراد ہے کہ اُم ایمن نے بھی جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو خبر دی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو فدک عطا کیا ہے تو حضرت ابوبکر کا عُذر پیش کرنا کہ کیا واقعی آپ نے اُم ایمن رضی اللہ عنہا سے ایسا سُنا ہے ؟

تو اس پر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو پتہ چل گیا کہ یہ فدک نہ دینے کا عُذر ہے تبھی بی بی سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ جو خبر میرے پاس تھی وہ بتا دی ہے۔ تو اس معتبر روایت سے معلوم ہوا کہ جناب اُم ایمن رضی اللہ عنہا نے بھی اس بابت جناب سیدہ سلام اللہ علیہا

کو فدک عطا ہونے کی خبر دی تھی۔

بطورِ استشہاد مزید روایات :

اب ہم استشہاد روایات پیش کریں گے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے دعویٰ ہبہ کیا۔

فتوح البلدان سے روایت :

ہم سے بیان کیا عبداللہ بن میمون المکتب نے انہوں نے کہا ہمیں خبر دی فضیل بن عیاض نے انہیں مالک بن جعونہ نے اور انہیں ان کے والد نے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے حضرت ابوبکر سے فرمایا فدک مجھے دو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے مخصوص فرمایا تھا اور شہادت میں علی ابن ابی طالبؑ کو پیش کیا جب ابوبکر نے دوسرا گواہ مانگا تو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے اُم ایمن کو پیش کیا تو ابوبکر نے کہا کہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ جانتی ہیں کہ شہادت بغیر ایک مرد اور دو عورتوں کے قبول نہیں پس یہ سُن کر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا واپس چلی گئیں۔

(فتوح البلدان جلد 1 صفحہ 58 علامہ بلاذری اُردو ترجمہ ،

فتوح البلدان صفحہ 43 طبع بیروت)

فتوح البلدان سے دوسری روایت :

مجھ سے بیان کیا روح الکرابیسی نے انہوں نے کہا مجھ سے بیان کیا زید بن الحباب نے انہوں نے کہا ہمیں خبر دی خالد بن طہمان نے اور انہوں نے اس سے جسے روح نے جعفر بن محمد سمجھا کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے ابوبکر سے کہا کے مجھے فدک دے دو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دے دیا تھا جس پہ انہوں نے ثبوت مانگا تو آپ

نے اُم ایمن اور رباح کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے اُن کو پیش کیا دونوں نے شہادتیں دیں لیکن حضرت ابوبکر نے کہا کہ کسی معاملہ میں یہ ثبوت کافی نہیں ہوسکتا کیونکہ ایک مرد اور عورتوں کی گواہی ہونے چاہیے۔

(فتوح البلدان جلد 1 صفحہ 58 علامہ بلاذری اُردو ترجمہ ،

فتوح البلدان صفحہ 43 طبع بیروت)

الریاض النضرہ کی روایت :

وعن عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم عن ابیہ قال جائت فاطمہ الی ابی بکر فقالت اعطنی فدک فان رسول اللہ وھبہا لی۔

ابوبکر بن عمرو بن حزم کہتے ہیں کہ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا ابوبکر کے پاس گئیں اور فرمایا کہ فدک مجھے دیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فدک عطا کیا تھا۔

(الریاض النضرہ جلد 2 صفحہ 126 امام محب الدین طبری طبع دار الغرب الاسلامی)

الاوائل کی روایت :

اخبرنا ابو احمد عن الجوہری عن محمد بن زکریا عن ابن عائشہ وعن ابیہ عن عمہ قال شہد علی وایمن عند ابی بکر ان النبی وھب فدکا لفاطمہ۔

علیؑ اور اُم ایمن نے ابوبکر کے ہاں گواہی دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کو ہبہ کر دیا تھا۔ (الاوائل للعسکری صفحہ 258)

ہم نے گیارہ اسناد سے جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کا دعویٰ ہبہ ثابت کیا اور اِس پر کئے

جانے والے اعتراضات کے علمی جوابات بھی عنایت کر دیئے لیکن پھر بھی اگر کہے کہ یہ تمام طرق ضعیف ہیں تو ایک بات اور یاد رہے کہ تعدد طرق روایت کو حسن کے درجہ میں لے جاتے ہیں پھر چاہے وہ طرق ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔

امام احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں :

تعدد طرق سے ضعیف حدیث قوت پاتی بلکہ حسن ہو جاتی ہے حدیث اگر متعدد طریقوں سے روایت کی جائے اور وہ سب ضعف رکھتے ہوں تو ضعیف ضعیف مل کر بھی قوت حاصل کر لیتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد 5 صفحہ 474 اُردو)

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں :

تعدّد الطرق و کثرتها یقوی بعضها بعضا حتی قد یحصل العلم بها ولو کان الناقلون فجارا فساقا۔

روایات کے متعدد طرق اور ان کی کثرت ایک دوسرے کو قوی کرتے ہیں چاہے ان کے ناقلین فاجر و فاسق ہی کیوں نہ ہوں۔

(مجموعۃ الفتاویٰ جلد 18 صفحہ 18 تحقیق عامر الجزار وانور الباز)

امام ناصر الدین البانی اہلِ حدیث لکھتے ہیں :

ان الطرق یقوی بعضها بعضا اذا لم یکن فیها متهم۔

روایات کے متعدد طرق ایک دوسرے کو قوی کرتے ہیں بشرطیکہ ان میں جھوٹے روای نہ ہوں۔ (ارواء الغلیل جلد 1 صفحہ 160 طبع المکتب الاسلامی)

امام محمد بن اسماعیل الصنعانی لکھتے ہیں :

وكلها ضعيفة لكن قد يقوي بعضها بعضا -

اور (اس روایت کے) تمام طرق ضعیف ہیں لیکن اس کے بعض طرق بعض کو قوی کرتے ہیں۔ (سبل السلام شرح بلوغ المرام صفحہ 127 طبع دار الارقم)

سید السابق لکھتے ہیں :

والحديث وان كان ضعيفا الاان له طرقا يقوي بعضها بعضا فتنهض للاحتجاج بها -

اور حدیث جو کہ ضعیف ہو اور اُس کے متعدد طرق ایک دوسرے کو قوی کرتے ہوں تو وہ احتجاج کے قابل ہو جاتی ہے۔ (فقہ السنہ جلد 1 صفحہ 75 طبع قاہرہ)

امام شوکانی لکھتے ہیں:

وهذه الروايات يقوى بعضها بعضا فتنتهض للاحتجاج بها -

(ضعیف روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) اور یہ روایات بعض بعض کو قوی کرتی ہیں اور انہیں احتجاج کے قابل بناتی ہیں۔

(نیل الاوطار جلد 1 صفحہ 55 طبع بیروت)

امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

وهذه طرق يقوي بعضها بعضا -

اور یہ متعدد طرق ایک دوسرے کو قوی کرتے ہیں

(فتح الباری جلد 8 صفحہ 166 طبع دار المعرفہ بیروت)

لہٰذا ان دلائل سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ متعدد طرق یا اسناد بے شک ضعیف بھی

ہوں لیکن وہ تمام مل کر قوی اور حسن ہو جاتی ہیں۔

تو اَب ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے ان پیش کردہ تمام طرق کو ضعیف بھی مان لیں تب بھی یہ تمام طرق مِل کر حسن کے درجہ میں آجائیں گے اور یہ واقعہ معتبر ہی کہلائے گا۔

ہبہ والی روایات سے علمائے اہلِ سنت کے استدلال :

اب ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے اہلِ سنت نے انہی ہبہ والی روایات سے استدلال بھی کئے ہیں جو ان کے نزدیک اس واقعہ کے صحیح و حجت ہونے کی دلیل ہیں۔

اہلِ سنت کے وہ جید علماء جنہوں نے اِس واقعہ کو کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے ہبہ کا دعویٰ کیا کو بالجزم نقل کیا اور اس سے اپنے موافق استدلال قائم کئے تو ہم ان علماء کے نام ان کی بحث اور کتاب کے حوالہ کے ساتھ یہاں لکھیں گے۔

(1)۔ امام ابوالفتح محمد الشہر ستانی :

الخلاف السادس : فی امر فدك والتوراث عن النبی علیه السلام ودعویٰ فاطمة علیه السلام وراثة تارة و تمیلکا اخری۔

چھٹا اختلاف فدک کے معاملہ میں ہوا کہ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا نے وراثت اور ہبہ (دونوں) دعاوی کئے۔ (الملل والنحل صفحہ 13 طبع بیروت)

(2)۔ علامہ نورالدین حلبی شافعی :

ولعل طلب ارثها من فدك كان منها بعد ان ادعت رضی الله عنه ان النبی ص اعطاها فدك وقال لها هل لك بینه فشهد لها علی کرم الله وجهه وام ایمن فقال لها رضی الله لها رضی الله عنه

ابرجل وامراۃ تستحقیھا۔

اور ممکن ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا وراثت طلب کرنا اُن کے اس دعویٰ کے بعد ہو کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو عطا کر دیا تھا جب ان سے گواہ مانگے گئے تو انہوں نے جناب امیر المومنینؑ اور اُم ایمن رضی اللہ عنہا کو بطورِ گواہ پیش کیا جس پہ انہیں کہا گیا کہا آپ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی پر فدک کی مستحق بنا چاہتی ہیں۔

(السیرت الحلبیہ جلد 3 صفحہ 511،512 طبع بیروت)

(3)۔امام عضد الدین الایجی :

ادعت فاطمة انه ای اعطاها فدکا نحلة وعطیة وشهد علیه علی والحسن والحسین وام کلثوم والصحیح ام ایمن وهی امراۃ اعتقها رسول الله۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے دعویٰ کیا کہ فدک ان کو دے دیا گیا تھا اور ان کا عطیہ ہے اور علیؑ، حسنؑ، حسینؑ، اور جناب اُم کلثومؑ نے گواہی دی اور صحیح یہ کہ یہ بی بی اُم کلثوم نہیں بلکہ اُم ایمن تھیں جن کو جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کیا تھا۔

(المواقف فی علم الکلام جلد 3 صفحہ 608 طبع دار الجیل بیروت)

(4)۔امام شہاب الدین یاقوت الحموی :

وفی فدك اختلاف کثیرا فی امرہ بعد النبی ۔ واصح ماورد عندی فی ذلك ...قالت فاطمه لابی بکر ان رسول الله جعل لی فدك فاعطنی ایاها وشهد لها علی ابن ابی طالب فسالها شاهد

آخر فشهدت لها ام ایمن مولاة النبی فقال قد علمت یا بنت رسول الله انه لا یجوز الا شهادة رجلین او رجل وامراتین فانصرفت۔

اور فدک کے معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد زیادہ اختلاف ہوا اور ہمارے نزدیک اس بارے میں صحیح یہ ہے جناب سیدہ نے ابوبکر سے فرمایا کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک مجھے دے دیا تھا لہٰذا مجھے یہ فدک دیا جائے اور گواہ کے طور پر آپ ؑ نے جناب امیر ؑ اور اُم ایمن کو پیش کیا تو ابوبکر نے کہا کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول ہوتی ہے پس جناب سیدہ ؑ واپس چلی گئیں۔

(معجم البلدان جلد 4 صفحہ 239 طبع بیروت)

(5)۔ امام اِبن حجر مکی :

اور جناب سیدہ ؑ کا یہ دعویٰ کرنا کہ فدک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دے دیا تھا اس پر وہ سوائے حضرت علی ؑ اور اُم ایمن کے کسی گواہ کو پیش نہ کر سکیں اس لحاظ سے گواہی کا نصاب پورا نہیں ہوا۔

(الصواعق المحرقہ صفحہ 138 اُردو ترجمہ ناشر شبیر برادرز)

(6)۔امام شمس الدین السرخسی :

ولکن فی هذا الکلام نظر فقد استدل ابو بکر رضی الله عنه علی فاطمة رضی الله عنها حین ادعت فدك بهذا الحدیث علی

ماروی انها ادعت ان رسول الله صلی الله علیه وسلم وهب فدك لها واقامت رجلا وامراة فقال ابوبكر رضی الله تعالیٰ عنه ضمی الی الرجل رجلا او الی المراة امراة فلما لم تجد ذلك۔

لیکن اس کلام میں نظر کرتے ہیں جس سے ابوبکر سے استدلال کیا ہے کہ جب جناب سیّدہ ؑ نے فدک کا دعویٰ کیا اس حدیث سے جو کہ روایت میں آیا ہے کہ جناب سیّدہؑ نے دعویٰ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فدک ہبہ کر دیا تھا اور اس پر ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی قائم کی پس ابوبکر نے کہا مرد کے ساتھ مرد کا اضافہ کریں یا عورت کے ساتھ کسی دوسری عورت کو لائیں پس جو ہیں فقط اُن کو پیش نہ کریں۔

(المبسوط جلد 12 صفحہ 29،30 طبع دار المعرفہ بیروت)

(7)۔ امام ابوالحفص ابن عادل دمشقی حنبلی :

فلما مات رسول الله صلی الله علیه وسلم ادعت فاطمة رضی الله عنه انت اعز الناس علی انه كان نحلها فدكا واحبهم الی غنی لكنی لا اعرف صحة قولك ولا یجوز لی ان احكم فقرا بذلك فشهدت لها ام ایمن ومولی للرسول صلی الله علیه وسلم فطلب منها ابوبكر الشاهد الذی یجوز شهادته فی الشرع۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سیدہ فاطمہ ؑ نے دعویٰ کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک ان کو بطورِ عطیہ دیا تھا۔۔۔۔ ابوبکر نے کہا کہ مجھے آپ

کے دعویٰ کی صحت کا علم نہیں اور میرے لئے جائز نہیں کہ میں فقط دعوی پر ہی فدک دے دُوں تو جناب اُم ایمن اور رسول کے ایک غلام نے شہادت دی اس کے باوجود ابوبکر نے جناب فاطمہ ؑ سے ایسے شخص کی شہادت مانگی جس کی شہادت شریعت میں جائز ہو۔

(اللباب فی علوم الکتاب جلد 18 صفحہ 574 تحت سورہ الحشر طبع بیروت)

(8)۔ شیخ عبدالرزاق حسین احمد :

اعتمادا علی روایة البزار بسنده عن ابی سعید الخدری والتی مفادها ان النبی لما نزلت الآیة دعا فاطمه واعطاها حقا من حقوق القرابه۔

سورہ بنی اسرائیل کی آیت 26 کہ اپنے قربیٰ کا ان کا حق دے دو کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جو امام بزار نے ابوسعید الخدری سے روایت کیا ہے وہ قابلِ اعتماد ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیدہ ؑ کو بلایا اور اُن کو اُن کا حق (فدک) قرابتداروں کے حقوق میں سے ادا کیا۔

(المکی والمدنی جلد 1 صفحہ 132 طبع دار ابن عفان)

(9)۔ شیخ نورالدین سمہودی لکھتے ہیں :

وهی التی قالت فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها ان رسول الله علیه وسلم نحلنیها فقال ابوبکر رضی الله تعالیٰ عنه ارید بذ لك شهودا فشهد لها علی فطلب شاهد آخر فشهدت لها ام یمن

فقال: قد علمت یا بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم انه لا
یجوز الا شهادة رجل وامراتئین۔

اور وہی فدک ہے جس کے بارے میں جناب سیدہ کا دعویٰ تھا کہ یہ فدک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں عطا کیا ابوبکر نے اس پر کہا کہ مجھے اس پر گواہ پیش کرو تو جناب علیؑ نے گواہی پیش کی اور اس کے بعد مزید گواہوں کا پوچھا گیا تو ام ایمن نے شہادت دی پھر ابوبکر نے کہا کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی آپ جانتی ہیں کہ شہادت کا نصاب ایک مرد اور دو عورتوں کا ہے۔

(وفاالوفاء جلد 3 صفحہ 157 طبع دار الکتب العلمی بیروت)

یہ وہ علماء ہیں جنہوں نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے ہبہ کے دعویٰ کو بالجزم نقل کیا اور اس سے استدلال قائم کئے اور شروع میں ہم نے مقدمہ نمبر 5 بنایا ہے کہ مجتہد کا کسی چیز سے استدلال اس چیز کے صحیح ہونے کی دلیل ہے لہٰذا جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کا دعویٰ ہبہ اور آگے اس کے گواہ پیش کرنا بالکل صحیح ہے۔

یہاں تک الحمد اللہ باب نمبر 2 مکمل ہوا اور ہم نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو فدک ہبہ ہو جانا اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا دعویٰ ہبہ پیش کرنا دونوں ثابت کر دیئے ہیں۔

باب نمبر 3

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا دعویٰ وراثت :

کتب اہل سنت میں مزید قضیہ فدک کے متعلق جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کا دعویٰ ارث کریم بھی آتا ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے دعویٰ ہبہ کو جب تسلیم نہ کیا گیا تو بی بی زہراء سلام اللہ علیہا نے وراثت کا دعویٰ دائر کیا کہ فدک بطور وراثت مجھے ملنا چاہیے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے اس دعویٰ کو بھی تسلیم نہ کیا گیا۔

جیسا کہ احادیث کی کتب میں آیا ہے۔

حدثنا : عبد العزیز بن عبداللہ ، حدثنا : ابراھیم بن سعد ، عن صالح ، عن ابن شھاب قال : اخبرنی : عروۃ ابن الزبیر ان عائشۃ ام المومنین (ر) اخبرتہ : ان فاطمۃ (ع) ابنۃ رسول اللہ (ص) سالت ابابکر الصدیق بعد وفاۃ رسول اللہ (ص) ان یقسم لھا میراثھا مما ترک رسول اللہ (ص) مما افاء اللہ علیہ ، فقال لھا ابوبکر ان رسول اللہ (ص) قال : لانورث ما ترکنا صدقۃ فغضبت فاطمۃ بنت رسول اللہ (ص) فھجرت ابا بکر فلم نزل مھاجرتہ حتی توفیت ،

وعاشت بعد رسول اللہ (ص) ستۃ اشھر ...۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جناب فاطمہ بنتِ محمدؐ نے حضرت ابوبکر

سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کے متعلق سوال کیا کہ جو ترکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوڑا جو اُن کو اللہ نے فئی دلوایا تھا پس حضرت ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے پس فاطمہؑ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضبناک ہوگئیں اور ابوبکر سے ترکِ ملاقات کی حتیٰ کہ اُن کی وفات ہوگئی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چھ مہینے تک زندہ رہیں۔

(1)۔ صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 465 اُردو ترجمہ مولانا داود راز۔

(2)۔ صحیح مسلم جلد 5 صفحہ 34 اُردو ترجمہ وحید الزمان

(3)۔ مسند احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 205 حدیث 25

(4)۔ السنن الکبریٰ للبیہقی جلد 6 صفحہ 490 حدیث 12734

(5)۔ صحیح ابن حبان جلد 14 صفحہ 573 حدیث 6607

یہ حدیث اور بھی کافی کتب میں ہے لیکن ہم ان 5 کتب پہ ہی اکتفا کرتے ہیں۔

اب ہم ان اعتراضات کی طرف آتے ہیں جو اِس حدیث کو لے کر کئے جاتے ہیں تاکہ اُن اعتراضات کو علم کے ترازو میں تولہ جائے۔

اعتراض نمبر 1 :

اِس روایت میں ناراضگی والے الفاظ حدیث کا حصہ نہیں اور نا ہی حضرت عائشہ سے مروی ہے بلکہ وہ ابن شہاب زہری کا ادراج (راوی کا اپنی طرف سے اضافہ) ہے کیونکہ روایت کے متن میں کئی مقامات پر فغضبت سے پہلے قال کا لفظ آیا ہے جو کہ مذکر کے لئے آتا ہے اگر یہ الفاظ حضرت عائشہ کے ہوتے تو قالت کا لفظ

استعمال ہوتا لہٰذا یہاں ناراضگی والے الفاظ ہرگز روایت کا حصہ نہیں اور نہ ہی حضرت عائشہ کے الفاظ ہیں۔

جواب :

اِس صحیح حدیث میں ادراج کا شبہہ پیدا کیا جاتا ہے کہ اس جناب سیدہ ؑ کی ناراضگی سے پہلے قال کا لفظ آیا ہے۔

ہم کہتے ہیں جو حدیث ہمارے پیشِ نظر ہے جو کہ ہم نے نقل کی ہے اس میں قال کا لفظ موجود نہیں بلکہ یہ روایت تسلسل کے ساتھ حضرت عائشہ سے آ رہی ہے لہٰذا یہ اعتراض تو کسی کام کا نہ رہا۔

مزید اِس کو اگر عِلمی نگاہ سے دیکھا جائے تو روایت کو مدرج یا راوی کا ثابت کرنے کے لئے اہلِ سنت کی اصول کی کتب میں کچھ شرائط ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(1)۔ کسی دوسری روایت میں وہ مدرج کلام الگ اور امتیاز سے بیان ہوا ہو۔

(2)۔ بعض باخبر اور مطلع امام اس ادراج پر نص بیان کریں۔

(3)۔ راوی خود اقرار کرے کہ اُس نے یہ کلام درج کیا ہے۔

(4)۔ کلام ایسا ہو کہ جو نبی سے صادر نہ ہو سکے بلکہ وہ نبی کا کلام ہونا ناممکن ہو۔

(تیسیر مصطلح الحدیث صفحہ 101،100 اُردو)

تو اِن چاروں شرائط میں سے کوئی شرط یہاں صادق نہیں آتی کہ نا ہی کسی اور روایت میں زہری نے اس کو الگ سے کہا، نا ہی کسی امام نے اس پر نص بیان کی، نا ہی زہری نے اس کا اقرار کیا اور نہ ہی یہ الفاظ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عائشہ سے صادر

ہونا محال ہیں لہٰذا اِس روایت کو مدرج کہنا کسی کا ذاتی قیاس ہو سکتا ہے نص نہیں۔

باقی اہلِ سنت میں سے کسی بھی شارح نے جیسا کہ امام نووی ، ترکمانی، ابن بطال ، ابن حجر عسقلانی ، بدرالدین عینی اور جتنے علماء نے احادیث کی کتب کی شروح لکھی ہیں کسی نے ان ناراضگی والے الفاظ کو ادراج نہیں کہا تو آج کل کے مولوی چہ معنی دارد؟

پھر امام ابوبکر خطیب بغدادی نے ادراج کے موضوع پر پوری کتاب لکھی الفصل للوصل المدرج فی النقل ۔آگے ابن حجر عسقلانی اور امام سیوطی نے اسی کا خلاصہ لکھا جس میں انہوں نے زہری کے ادراج نقل کئے لیکن اس میں یہ فدک والی روایت موجود نہیں لہٰذا یہ روایت ہرگز مدرج نہیں۔

ایک حوالہ اس پر ہم دیتے ہیں تاکہ ہماری بات کی مزید تائید ہو کہ یہی روایت حضرت عائشہ سے ایک اور مقام پر نقل ہوئی ہے جس میں قالت کے واضح الفاظ موجود ہیں ملاحظہ ہوں :

قالت فهجرته فاطمة فلم تكلمه في ذلك حتى ماتت۔

(مسند ابی بکر الصدیق صفحہ 74 حدیث 38

امام ابوبکر احمد المروزی طبع مکتب الاسلامی وسندہ صحیح)

اِسی روایت کے تحت ہم ایک اعتراض کا بھی جواب دیتے جائیں کہ اس روایت پہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ امام ذہبی لکھتے ہیں :

وقال الدار قطني ثقه لكنه يخطي على معمر في احاديث۔

اور دار قطنی نے کہا کہ عبدالرزاق ثقہ ہے لیکن یہ معمر سے نقل کردہ احادیث میں غلطیاں کرتا ہے۔ (میزان الاعتدال جلد 2 صفحہ 610 طبع دار المعرفہ بیروت)

لہٰذا اس سند میں عبدالرزاق معمر سے روایت کر رہا ہے لہٰذا یہاں قالت کے الفاظ اختلاط ہیں۔

اب ہم اس کا جواب یہ عرض کرتے ہیں کہ پہلے تو عبدالرزاق کی معمر سے احادیث صحیحین میں موجود ہیں جیسا کہ صحیح بخاری صفحہ 179 کتاب الاذان حدیث 722 طبع دار ابن کثیر

صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب من فضائل عبداللہ بن عمر

مزید ہم علماء کی تصریحات بھی پیش کئے دیتے ہیں تاکہ مکمل تشفی ہو جائے۔

امام ابن شاہین لکھتے ہیں :

سمعت احمد بن حنبل یقول اذا اختلف اصحاب معمر فی حدیث معمر فالحدیث حدیث عبد الرزاق ۔

(بحذف اسناد) امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ جب معمر کے اصحاب میں معمر کی کسی حدیث کو لے کر اختلاف ہوتا تو عبدالرزاق کی معمر سے حدیث پہ عمل ہوتا

(تاریخ اسماء الثقات صفحہ 180 طبع دار السلفیہ)

امام ابن معین لکھتے ہیں :

کان عبد الرزاق فی حدیث معمر اثبت من ھشام بن یوسف ۔

عبدالرزاق کی معمر سے حدیث ہشام سے زیادہ ثابت ہے

(التاریخ ابن معین جلد 2 صفحہ 364 طبع سعودیہ)

امام ذہبی لکھتے ہیں :

قال مومل بن یہاب قال عبدالرزاق کتبت عن معمر عشرۃ الاف حدیث۔

مومل بن یہاب کہتے ہیں کہ عبدالرزاق نے کہا کہ مَیں نے معمر سے دس ہزار احادیث نقل کی ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء جلد 7 صفحہ 11 طبع موسسۃ الرسالہ)

امام ذہبی کی فیصلہ کن عبارت :

وحدیث ھشام و عبدالرزاق عنه اصح لانھم اخذوا عنه من کتبه۔

ہشام اور عبدالرزاق کی معمر سے احادیث صحیح ہیں کیونکہ یہ معمر سے وہی اخذ کرتے تھے جو یہ ان سے لکھتے تھے۔ (سیر اعلام النبلائ جلد 7 صفحہ 12)

لہٰذا مذکورہ روایت کی سند میں کوئی اشکال نہیں بلکہ یہ صحیح حدیث ہے جس میں کوئی اختلاط نہیں اور آخری بات یہ کہ دارِ قطنی متشدد اور معتصب علماء میں سے ہیں جو کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں لہٰذا ان کی جرح بھی مردود ہے۔

اَب ہم علمائے اہلِ سنت کی طرف آتے ہیں کہ جو جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کی ناراضگی والے الفاظ کو زہری کا قول یا ادراج نہیں بلکہ حضرت عائشہ کا ہی قول اور روایت کا حصہ سمجھتے ہیں۔

(1)۔ امام ابن ھبیرہ لکھتے ہیں :

و اما قول عائشہ رضی اللہ عنہا ھجر تہ فاطمۃ رضی اللہ عنہا فلم تکلمہ حتی ماتت ---

(الافصاح عن معانی الصحاح جلد 1 صفحہ 73 طبع دار الوطن)

(2)۔ امام احمد بن عبدالرحمٰن ساعاتی لکھتے ہیں :

وفیہ قالت عائشۃ فغضبت فاطمۃ علیہا السلام فھجرت ابابکر فلم تزل مہاجرتہ حتی توفیت۔

(الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد جلد 21 صفحہ 262 طبع بیروت)

(3)۔ محمد بن اسماعیل امیر الصنعانی لکھتے ہیں :

وقول عائشۃ انہا غضبت وھجرت ----

(التحبیر الایضاح جلد 3 صفحہ 765 طبع مکتبۃ الرشد)

(4)۔ ابراہیم بن عامر الرحیلی لکھتے ہیں :

ھذا ماثبت فی حدیث عائشۃ المتقدم انہا وجدت علی ابی بکر فلم تکلمہ حتی توفیت ۔(الانتصار للصحب والال صفحہ 309 طبع مدینہ)

ان علماء کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہرگز ابن شہاب زہری کا ادراج نہیں بلکہ یہ حضرت عائشہ کی روایت کے الفاظ ہیں۔

اعتراض نمبر 2 :

اسی روایت کے ایک طرق میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے کہا تھا :

انما آلِ محمد یاکل فی ھذا المال۔

آلِ محمدؑ اسی مال سے کھائیں گے

(صحیح مسلم جلد 5 صفحہ 34 اُردو ترجمہ وحیدالزمان)

لہٰذا حضرت ابوبکر ان کو اِسی مال سے دیتے تھے اور یہ اُن کی آلِ محمدؑ سے محبت کی دلیل ہے۔

جواب :

صحیح مسلم سے یہ الفاظ نقل کئے جاتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے یہ بھی کہا کہ آلِ محمدؑ اِسی مال سے کھائیں گے لہٰذا حضرت ابوبکر اُن کو اِسی مال میں سے دیا کرتے تھے۔

پہلی بات کہ حضرت ابوبکر کا کہہ دینا اِس چیز پر دلیل نہیں بن سکتا کہ حضرت ابوبکر آلِ محمدؑ کو اس مال یعنی فدک کی آمدنی میں سے دیتے ہوں جیسا کہ سنن ابوداود میں آیا ہے :

حدثنا جبیر بن مطعم ان رسول الله لم یقسم لبنی عبد شمس ولا لبنی نوفل من الخمس شیئا کما قسم بنی ھاشم وبنی المطلب قال وکان ابوبکر یقسم الخمس نحو قسم رسول الله غیر انه لم یکن یعطی قربٰی رسول الله کما کان یعطیھم رسول الله۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح بنی ہاشم اور بنو المطلب کو خمس تقسیم کیا اس طرح بنی عبد شمس اور بنی نوفل کو نہیں کیا اور حضرت ابوبکر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح تقسیم کرتے تھے مگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقرباء (بنی ہاشم) کو نہ دیتے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دیتے تھے۔

(سنن ابوداوُد جلد 2 صفحہ 435 اُردو ترجمہ علامہ وحید الزمان وسندہ صحیح)

تو اَب یہاں تو معاملہ کچھ اور ہے یہ صحیح حدیث تو کہتی ہے کہ حضرت ابوبکر خمس میں سے بھی آلِ محمدؑ کو نہیں دیتے تھے۔

اعتراض نمبر 3 :

یہاں اوّل تو ناراضگی والے الفاظ زہری کا ادراج ہیں اور اگر وہ مان بھی لیں تو روایت میں یہ بھی آیا ہے :

فهجرته فاطمة (ر) فلم تكلمه فى ذلك المال حتى ماتت -

پس جنابِ سیّدہؑ نے ابوبکر سے ترکِ ملاقات کردی اور اس مال کے بارے میں کوئی بات نہ کی یہاں تک کہ اُن کی وفات ہوگئی۔

(تاریخ مدینۃ المنورہ جلد 1 صفحہ 190 عمر بن شبہ)

لہٰذا یہاں بخاری شریف کی توجیہ ہوجاتی ہے کہ ترکِ ملاقات اور بات نہ کرنے سے مطلقاً بات نہ کرنا نہیں بلکہ اس مال کے بارے میں بات نہ کرنا ہے۔

جواب :

یہ روایت برادران کے کسی کام کی نہیں کیونکہ اسکی سند شدید ضعیف ہے۔

ہم اِس کی سند کا مشاہدہ کرتے ہیں :

حدثنا اسحاق بن ادريس قال حدثنا محمد بن ثور عن معمر عن الزهرى عن عروه عن عائشه رضى الله۔

تو اس میں پہلا راوی اسحاق بن ادریس ضعیف ہے جیسا کہ امام ابن معین نے اسے

کذاب اور حدیث گھڑنے والا کہا ہے، محمد بن مثنی اس کی حدیث کو واہیات کہتے ہیں،
امام بخاری اور نسائی اس کو متروک کہتے ہیں۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال جلد 1 صفحہ 542،543 ابن عدی طبع بیروت)

(کتاب الضعفاء جلد 1 صفحہ 126 للعقیلی طبع دار الصمیعی ،لسان المیزان)

یہ روایت شدید ضعیف ہے لہٰذا اِس سے استدلال کرنا کوئی عقلمندی نہیں۔

اعتراض نمبر 4 :

حضرت ابوبکر نے جناب سیّدہ ؑ کو نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حدیث سُنائی تھی کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

لہٰذا حضرت ابوبکر نے اس حدیث کے پیشِ نظر فیصلہ کیا۔

جواب :

اَب اس میں جو حدیث حضرت ابوبکر نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو پڑھ کر سُنائی کہ

ہم نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے

ہم اس حدیث لانورث پر مفصل بحث کریں گے کہ آیا یہ حدیث صحیح و بمطابق قرآن واحادیث ہے یا نہیں۔

سب سے پہلے ہم اِس حدیث کو قرآن پر پیش کریں گے کہ آیا قرآن وتفسیر اس بارے میں کیا کہتے ہیں اس کے بعد احادیث ودیگر قرائن کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

لیکن سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ حدیث لانورث خبر واحد ہے کہ اس کو صرف حضرت ابوبکر نے روایت کیا وہ اس حدیث کو بیان کرنے میں منفرد ہیں یعنی ان کے

علاوہ کسی نے پہلے اس حدیث کا کوئی ذکر نہیں کیا اور خود علمائے اہلِ سنت نے اصول حدیث کی کتب میں اس کو بطورِ خبر واحد لکھا ہے ملاحظہ ہوں :

(1)۔ شرح مختصرا المنتھی الاصولی جلد 2 صفحہ 426 امام ایجی، طبع بیروت

(2)۔ عمدۃ المرید لجوہرۃ التوحید (شرح الکبیر) جلد 2 صفحہ 1229 امام برہان الدین للقانی طبع بیروت

(3)۔ شرح المقاصد جلد 3 صفحہ 508 ملا تفتازانی طبع بیروت

(4)۔ تکملۃ المجموع شرح المہذب جلد 23 صفحہ 521 امام ابراہیم بن یوسف الشیرازی طبع بیروت

(5)۔ فواتح الرحموت جلد 2 صفحہ 163 علامہ عبدالعلی انصاری لکھنوی طبع بیروت

(6)۔ کشف الاسرار جلد 2 صفحہ 544 امام علاء الدین بخاری طبع بیروت

(7)۔ الاحکام فی اصول الاحکام جلد 2 صفحہ 82 امام علی بن محمد آمدی

(8)۔ اتحاف ذوی البصائر جلد 6 صفحہ 238 ڈاکٹر عبدالکریم بن علی النملہ طبع ریاض

(9)۔ المستصفی من علم الاصول جلد 3 صفحہ 338 امام غزالی طبع سعودیہ

(10)۔ فتح البر فی الترتیب الفقہی لتمہید ابن عبدالبر جلد 12 صفحہ 549 شیخ محمد المغراوی

(11)۔ المحصول فی علم الاصول الفقہ جلد 4 صفحہ 369 امام فخر الدین رازی

ان تمام اصولِ فقہ اور اصولِ حدیث کی کتب میں مذکورہ حدیث کو خبر آحاد کی ابحاث میں لکھا گیا ہے۔

مزید یہ کہ اسی بات کی تائید میں حضرت عائشہ سے مروی ایک روایت بھی نقل کی جاتی ہے اس چیز کہ اثبات پر کہ یہ حدیث لانورث کے راوی فقط حضرت ابو بکر ہیں۔
روایت تھوڑی طویل ہے لہٰذا ہم فقط اپنی بحث کے مطابق مطالب نقل کر رہے ہیں۔

عن عائشه قالت ....واختلفوا فی میراثه فما وجدوا عند احد من ذلك علما فقال ابوبکر سمعت رسول الله يقول انا معشر الانبياء لانورث ما تركنا صدقه۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کے متعلق اختلاف ہوا تو اس بارے میں کسی ایک کو بھی علم نہ تھا تو ابو بکر نے کہا کہ مَیں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ انہوں نے فرمایا ہم انبیاء میراث نہیں چھوڑتے جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔

حوالہ جات ملاحظہ ہوں :

(1)۔ کنزل العمال جلد 12 صفحہ 488

(2)۔ خلاصۃ التحقیق فی سیرت ومناقب ابی بکر الصدیق صفحہ 88 علامہ خالد محمد ہادی طبع بیروت

(3)۔ جمع الجوامع جلد 11 صفحہ 25 امام سیوطی طبع بیروت

(4)۔ تاریخ مدینۃ دمشق جلد 30 صفحہ 311 امام ابن عساکر

(5)۔ حیاۃ الصحابہ جلد 4 صفحہ 342 امام یوسف کاندھلوی

(6)۔ جامع الاحادیث جلد 1 صفحہ 32 امام سیوطی

لہذا یہاں یہ بات تو واضح اور قطعی ہو گئی کہ اس حدیث کا علم فقط جناب ابو بکر کو تھا اور کسی

کو اس کا علم نہ تھا (سبحان اللہ) اور یہ خبر واحد فقط انہی سے مروی ہے۔

اب ہم اس حدیث کو قرآن و حدیث و دیگر قرائن پر پرکھتے ہیں۔

قرآن میں انبیاء کی مالی وراثت کا ذکر ہوا ہے اور خود اہلِ سنت کے ہاں تفسیر روائی میں

ان کے جید امام المفسرین نے انبیاء کی مالی وراثت کا ہونا نقل کیا ہے۔

جناب زکریا ؑ کا وارث مانگنا :

فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

وانی خفت الموالی من ورآئی وکانت امراتی عاقرا فھب لی من لد

نک ولیًّا۔(5)

یرثنی ویرث من آلِ یعقوب واجعله رب رضیًّا۔(6)

اور بے شک میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے

پس تو اپنے ہاں سے ایک وارث عطا کر۔

جو میرا اور یعقوب کے خاندان کا بھی وارث ہو، اور میرے ربّ اسے پسندیدہ بنا۔

(سورہ مریم آیت 5،6)

آیت کے ظاہری معنی پہ تبصرہ :

ان دو آیات میں جناب زکریا ؑ کا فرمانا کہ مجھے اپنے رشتہ داروں سے خوف ہے پس

تو مجھے ولی عطا کر جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو،

یہ واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ ان آیات میں مالی وراثت مراد تھی۔

عموماً یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ یہاں علمی وراثت مراد ہے یا نبوت کی بات ہو رہی ہے تو اس کو مان بھی لیا جائے تو مسئلہ نہیں لیکن یہاں مالی وراثت کی نفی کا کوئی قرینہ نہیں جیسا کہ جناب زکریاؑ نے واضح فرمایا کہ مجھے اپنے رشتہ داروں سے خوف ہے لہٰذا مجھے وارث عطا کر تو کیا رشتہ داروں نے جناب زکریا سے نبوت یا علم چھین لینا تھا؟

یا جنابِ زکریاؑ کو یہ رشتہ داروں سے نبوت اور علم کے بارے میں خوف تھا؟

یہ بات بعید از عقل ہے لہٰذا یہاں بات مالی وراثت کی ہی ہے کہ کہیں رشتہ دار مال نہ چھین لیں یا بعد میں اس پہ قابض ہو جائیں۔

اَب ہم دیکھتے ہیں کہ اہلِ سنت کے ہاں روایات اور اقوالِ مفسرین سے یہ ثابت ہے کہ اِس آیت میں جناب زکریاؑ نے مالی وراثت کے لئے وارث مانگا جیسا کہ:

روایاتِ اہلِ سنت:

ابن عباس کا قول ہے کہ جناب زکریاؑ کی دعا میں جو وارث مانگا گیا اُس سے مر[اد] مالی وراثت تھی۔

(1)۔ احکام القران امام جصاص جلد 5 صفحہ 45 طبع بیروت

(2)۔ تفسیر السمعانی جلد 3 صفحہ 278 طبع ریاض،

(3)۔ تفسیر حدائق الروح والریحان جلد 17 صفحہ 91 طبع بیروت

(4)۔ زاد المسیر فی علم التفسیر جلد 3 صفحہ 118

سفیان ثوری کا قول ہے کہ یہاں مالی وراثت مراد تھی۔

عن السفیان یرثنی المال ویرث من آلِ یعقوب النبوۃ۔

(تفسیر سفیان الثوری صفحہ 181 طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابی صالح سے 3 اسناد سے مروی ہے کہ اس آیت میں مالی وراثت مراد ہے۔

(تفسیر الطبری جلد 15 صفحہ 458)

حسن سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیت میں مالی وراثت مراد ہے۔ (تفسیر الطبری جلد 5 صفحہ 459)

عکرمہ اور ضحاک سے روایت ہے کہ یہاں اس آیت میں مالی وراثت مراد ہے۔

(تفسیر بحر العلوم صفحہ 318 طبع بیروت، امام سمرقندی)

آگے اِسی آیت کے ذیل میں کچھ مفسرین اہلِ سنت جو کہ بالجزم اس آیت میں مالی وراثت مراد لیتے ہیں۔

اقوالِ مفسرین :

ابو جعفر احمد بن اسماعیل النحاس متوفی 338 ہجری لکھتے ہیں :

واما وراثت المال فلا یمتنع۔

اور یہاں مالی وراثت مراد لینے میں کوئی ممانعت نہیں۔

(اعراب القرآن صفحہ 559 طبع بیروت لبنان)

قاضی ابو محمد ابن عطیہ اندلسی متوفی 542 ہجری لکھتے ہیں :

والاکثر من المفسرین علی انه اراد وراثت المال۔۔۔۔

اور اکثر مفسرین کے مطابق یہ ہے کہ اِس آیت میں جناب زکریا علیہ السلام کا ارادہ وراثتِ مال کا تھا۔

(المحرر الوجیز جلد 4 صفحہ 5 طبع دار الکتب العامیہ بیروت)

امام القدوۃ الزاہد شیخ ابن ابی زمنین متوفی 399 ہجری لکھتے ہیں :

فاراد ان یکون من صلبہ من یرث مالہ۔

پس انکار ارادہ تھا کہ ان کے صلب سے ان کے مال کا وارث ہو۔

(تفسیر القران العزیز صفحہ 88 طبع قاہرہ)

امام عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام دمشقی الشافعی متوفی 660 ہجری اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

(یرثنی) مالی (ویرث من آل یعقوب) النبوۃ ----

میرے مال کا وارث ہو اور آلِ یعقوبؑ سے نبوت کا وارث ہو۔

(تفسیر القراان جلد 2 صفحہ 269 طبع سعودیہ)

امام ابن جریر الطبری متوفی 310 ہجری بالجزم اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں : یرثنی من بعد وفاتی مالی ویرث من آلِ یعقوب النبوۃ۔

میری وفات کے بعد میرے مال کا وارث ہو اور آلِ یعقوبؑ سے نبوت کا وارث ہو۔

(تفسیر الطبری جلد 15 صفحہ 458 طبع قاہرہ)

امام الشیخ محمد طاہر ابن عاشور جو کہ تیرہویں صدی کہ تیونس کے اہلِ سنت امام ہوئے ہیں وہ لکھتے ہیں :

والظواھر توذن بان الانبیاء کانو یورثون ----

آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اجازت موجود ہے کہ انبیاء وراثت چھوڑتے ہیں۔ (تفسیر تحریر التنویر جلد 16 صفحہ 66 طبع تونس)

تابوت بطورِ وراثت آیا :

فرمان باری تعالیٰ ہے :

وقال لهم نبيهم ان اية ملكه ان ياتيكم التابوت فيه سكينةٌ من ربكم وبقيةٌ مما ترك الُ موسٰى والُ هارون تحمله الملائكة ان فى ذلك لآية لكم ان كنتم مومنين ۔(248)

اور بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے کہا کہ طالوت کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ تابوت واپس آئے گا جس میں تمہارے ربّ کی طرف سے اطمینان (تسلی) ہے، اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو موسیٰ اور ہارون کی اولاد چھوڑ گئی تھی، اس صندوق کو فرشتے اُٹھالائیں گے، بے شک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ (سورہ بقرہ آیت 248)

اس آیت کی تفسیر میں اہلِ سنت مفسرین نے لکھا ہے :

وكان عند آدم عليه السلام الى ان مات ثم عند شيث ثم توارثها اولاد آدم ۔

یہ تابوت پہلے جناب آدم علیہ السلام کے پاس تھا پس آدم کی رحلت کے بعد یہ جناب شیث کے پاس آیا اُن کے بعد اولادِ آدم میں بطورِ وراثت چلتا آیا۔

دیکھیں کتب اہلِ سنت :

(1)۔ تفسیر جلالین جلد 3 صفحہ 54 طبع قاہرہ۔

(2)۔ الفتوحات الالہیہ بتوضیح تفسیر جلالین جلد 1 صفحہ 304 طبع بیروت مولف امام سلیمان عجیلی شافعی۔

(3)۔ تفسیر خطیب الشربینی جلد 1 صفحہ 186 طبع بیروت مولف امام خطیب الشربینی مصری۔

(4)۔ تفسیر ابی السعود جلد 1 صفحہ 242 طبع بیروت

(5)۔ حاشیۃ القونوی علی التفسیر البیضاوی جلد 5 صفحہ 350 طبع بیروت

(6)۔ اللباب فی علوم الکتاب جلد 4 صفحہ 274 طبع بیروت مولف امام المفسر ابن عادل دمشقی حنبلی۔

(7)۔ تفسیر ثعلبی جلد 1 صفحہ 400 طبع بیروت۔

(8)۔ الاسرائیلیات صفحہ 259 طبع بیروت مولف ڈاکٹر مزی نعناعۃ مصری۔

(10،9)۔ تفسیر خازن معہ تفسیر البغوی جلد 1 صفحہ 332 طبع بیروت

(11)۔ بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی جلد 20 صفحہ 114 طبع بیروت۔

(12)۔ تفسیر ابی حیان الاندلسی جلد 2 صفحہ 270 طبع بیروت۔

(13)۔ الوسیط للامام الواحدی جلد 1 صفحہ 358 طبع بیروت۔

(14)۔ تفسیر روح البیان جلد 1 صفحہ 261

(15)۔ بیان المعاف جلد 5 صفحہ 213 ملا عبدالقادر بن حویش۔

اب ان دلائل سے بھی ثابت ہوا کہ حدیث لانورث باطل ہے کیونکہ اگر انبیاء کی

وراثت نہیں ہوتی تو برطابق قرآن وتفسیر تابوت کیسے آدم سے وراثت میں چلتا ہوا موسیٰ تک آیا ؟؟

سلیمانؑ داؤد کے وارث ہوئے

فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

و ورث سلیمان داود ۔

اور جناب سلیمان جناب داؤد کے وارث ہوئے ۔ (سورہ النمل آیت 16)

اس آیت میں جناب سلیمان کے اپنے والد جناب داؤد سے مالی وراثت کا ذکر ہے اور جو لوگ یہاں اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیت سے فقط علمی وراثت مراد ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر یہاں علمی وراثت بھی مراد ہو تب بھی یہ آیت حدیث لانورث کو رد کرتی ہے کیونکہ حضرت ابوبکر کی حدیث کے مطابق ہے کہ لا نورث ما ترکناہ صدقۃ ہمارا کوئی وارث نہیں جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے اب اس میں لفظ (ما) آیا ہے جس کا مطلب ہے (جو بھی) مطلب نبی نے جو چھوڑا وہ صدقہ اس جو بھی میں مال بھی ہے علم بھی ہے سب کچھ کیونکہ حدیث میں علم کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا بلکہ مطلقاً وراثت کی نفی ہے پھر وہ وراثت مالی ہو یا وراثتِ علمی۔

جبکہ آیت میں وارث بنایا گیا وہ بھی بغیر کسی استثنیٰ کے تو واضح طور پر آیت حدیث لانورث کا بطلان کرتی ہے۔

اب ہم مزید کچھ آیات نقل کرتے ہیں کہ جناب سلیمانؑ جناب داؤدؑ کی زندگی میں ہی علم ونبوت کی دولت سے مالا مال تھے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

ولقد اتینا داؤد و سلیمان علما وقالا الحمد للہ الذی فضلنا علی کثیر من عبادہ المومنین -

اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم بخشا اور اُنہوں نے کہا کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی۔ (سورہ النمل آیت 15)

اَب اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جناب سلیمانؑ کو جنابِ داؤدؑ کی زندگی میں ہی علم اور نبوت مل چکی تھی جیسا کہ یہاں فضیلت کا بھی ذکر کیا گیا۔

دوسری آیت ملاحظہ ہوں :

ففھمنا ھا سلیمان و کلا اتینا حکما و علما ۔

اور ہم نے سلیمانؑ کو فیصلہ (کرنے کا طریقہ) سمجھا دیا اور ان دونوں کو ہم نے حکمت اور عِلم بخشا تھا۔ (سورہ الانبیاء آیت 79)

یہاں بھی واضح طور پہ ان دونوں انبیاء کو عِلم و حکمت یعنی نبوت عطا کردی گئی تو جب جناب سلیمانؑ جناب داؤدؑ کی زندگی میں ہی اعلم اور نبی تھے تو وراثت چہ معنی دارد ؟ تو یہاں وراثت مالی ہی مراد ہے۔

پھر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ جناب سلیمانؑ کے 19 بھائی تھے تو سب کو وراثت ملنی چاہیے تھی صرف ایک کو کیوں ملی ؟

تو ہم کہتے ہیں کہ عدم ذکر عدم وجود کی دلیل نہیں ہوتا اگر قرآن میں باقی 19 برادران کا ذکر نہ بھی ہو تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اُن کو وراثت نہ مِلی ؟

اب اللہ قرآن میں فرماتا ہے

وَ وَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَان ۔(سورہ ص آیت 30)

اور ہم نے داوُدؑ کو سلیمانؑ عطا کئے۔اب اس آیت میں جناب داوُد کو صرف جناب سلیمانؑ کے عطا ہونے کا ذکر ہے تو پھر اس منطق کے مطابق تو باقی بیٹوں کی ہی نفی ہو گئی ؟ تو یہ اعتراض کسی کام کا نہیں۔

اَب ہم مزید آیات اسی پہ پیش کریں گے جس کے تحت روایات اور اقوالِ مفسرین پیش کریں گے کہ جناب سلیمانؑ جناب داوُدؑ کے مال کے وارث ہوئے۔

جیسا کہ اللہ نے قرآن میں ایک اور مقام پر فرمایا :

ووھبنا لداوود سلیمان نعم العبد انہ اواب ۔(30)

اذعرض علیہ بالعشی الصافنات الجیاد ۔(31)

فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی تورات بالحجاب (32)

اور ہم نے داوُدؑ کو سلیمانؑ عطا کیا، کیسا اچھا بندہ تھا، بے شک وہ رجوع کرنے والا تھا۔

جب اس کے سامنے شام کے وقت تیز رو گھوڑے حاضر کیے گئے۔

تو کہا میں نے مال کی محبت کو یادِ الٰہی سے عزیز سمجھا، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا

(سورہ ص آیت 30،31،32)

مذکورہ آیت نمبر 32 میں جناب سلیمانؑ کا فرمانا کہ مَیں نے مال کی محبت کو یادِ الٰہی سے

عزیز جانا یہ گھوڑے جن کا ذکر آیا ہے جناب سلیمانؑ کو اُن کے والد جناب داوٗدؑ سے وراثت میں ملے تھے جیسا کہ کتب اہلِ سنت میں ہے ملاحظہ ہوں :

(1)۔ علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی 855 ہجری لکھتے ہیں :

قال مقاتل ورث سلیمان عن ابیہ داوٗد الف فرس۔

مقاتل نے کہا کہ جناب سلیمان علیہ السلام کو اپنے والد داوٗد علیہ السلام سے ہزار گھوڑے وراثت میں ملے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد 16 صفحہ 19 طبع بیروت)

(2)۔ امام قرطبی یہی قول الجامع الاحکام القران جلد 8 صفحہ 127 طبع بیروت میں نقل کرتے ہیں۔

(3)۔ مشہور مفسرِ اہلِ سنت مقاتل بن سلیمان متوفی 150 ہجری جن کے اقوال اوپر مفسرین نے نقل کئے اُن کا اپنا یہ قول اُن کی تفسیر مقاتل بن سلیمان جلد 3 صفحہ 655 طبع بیروت میں موجود ہے۔

(4)۔ امام ابن عطیہ اندلسی متوفی 546 لکھتے ہیں :

قال الجمهور ان سلیمان علیه السلام عرضت علیه الالف من الخیل ترکها ابوه له۔

جمہور علماء کا کہنا ہے کہ جناب سلیمان علیہ السلام ایک ہزار گھوڑے پیش کئے گئے جو اُن کے والد نے اُن کے لئے (ترکہ میں) چھوڑے تھے۔

(تفسیر المحرر الوجیز جلد 4 صفحہ 503 طبع بیروت)

(5)۔ امام عبدالرحمٰن بن ثعالبی مالکی متوفی 875 ہجری بھی جمہور علماء سے یہی قول نقل کرتے ہیں۔

(جواہر الحسان فی تفسیر القران جلد 5 صفحہ 66 طبع بیروت)

(6)۔ امام ابن الجزی کلبی متوفی 741 ہجری بھی جمہور علماء سے یہی قول نقل کرتے ہیں۔

(التسهيل لعلوم التنزيل جلد 2 صفحہ 253 طبع بيروت)

(7)۔ علامہ مکی بن ابی طالب قرطبی متوفی 437 ہجری لکھتے ہیں :

قال ابن عباس كان مما ورث سليمان من ابيه داؤد الف فرس لايعلم فی الارض مثلها وكانت احب اليه من كل ماورث ۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ جناب سلیمان کو اپنے والے جناب داؤد سے ایک ہزار گھوڑے وراثت میں ملے جن کا روئے زمین پر کوئی ثانی نہیں تھا اور جو کچھ جناب داؤد نے جناب سلیمان کے لئے وراثت میں چھوڑا وہ سب سے زیادہ ان گھوڑوں کو پسند کرتے تھے۔

(تفسیر الہدایہ الی بلوغ النہایہ جلد 6 صفحہ 148 طبع بیروت)

(8)۔ علامہ محدث سنبلی دہلوی حنفی حاشیۃ السنبلی علی نور الانوار جلد 1 صفحہ 203 طبع بیروت میں مقاتل سے مذکورہ قول نقل کرتے ہیں۔

(9)۔ امام ابوالحسن ماوردی البصری متوفی 450 ہجری لکھتے ہیں :

فذهب الجمهور من التابعين والفقهاء الى ان العمل بها كان

واجباً قبل فرض المواریث۔

جمہور فقہاء، ع تابعین اس طرف گئے ہیں کہ ان کا یہ عمل وراثت کے فرض ہونے سے پہلے ان کے لئے واجب تھا۔

النکت والعیون جلد 1 صفحہ 232 طبع بیروت

(10)۔ مکہ مکرمہ کے عالم محمد علی صابونی لکھتے ہیں :

قال المفسرون عرضت علیہ الالف من الخیل ترکھا لہ ابوہ۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ جناب سلیمان کے لئے ہزار گھوڑے پیش کئے گئے جو کہ اُن کے والد نے اُن کے لئے ترکہ میں چھوڑے تھے۔

صفوۃ التفاسیر جلد 5 صفحہ 58 طبع بیروت

(11)۔ وھبہ مصطفیٰ الزحیلی شام کے اہلِ سنت عالم بھی اسی قول کی تائید کرتے ہیں کہ جنابِ داؤد کے ترکہ میں سے جنابِ سلیمانؑ کو ہزار گھوڑے ملے۔

تفسیر الوسیطؒ جلد 1 صفحہ 2204 طبع بیروت

اَب ان دلائل سے اس بات کا اثبات قطعی ہے کہ جناب سلیمان علیہ السلام جناب داؤد علیہ السلام کی مالی وراثت کے وارث بنے جو کہ حدیث لانورث کی واضح تردید ہے۔ہم فقط ان تین آیات پر اکتفاء کرتے ہوئے آگے احادیث اور دیگر قرائن کی طرف چلتے ہیں۔

اَب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا جناب ابوبکر کی پیش کردہ وہ حدیث لانورث پر باقی احادیث وردایات تائید کرتی ہیں یا تردید کرتی ہیں۔

حدیث لانورث کا رد خود حضرت ابوبکر کی زبانی

سب سے پہلے تو حضرت ابوبکر کی اپنی زبانی مذکورہ حدیث کا رد موجود ہے کہ روایت میں آتا ہے:

عن ابی طفیل قال ارسلت فاطمہ الی ابوبکر فقالت مالک یاخلیفہ رسول اللہ ؟ انت ورثت رسول اللہ واھلہ ، قال: لابل اھلہ ۔

حضرت ابوطفیل سے روایت ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا ابوبکر کے پاس گئیں اور فرمایا کہ اے خلیفہ رسول اللہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں یا اُن کے اہل ؟ ابوبکر نے کہا میں نہیں بلکہ اُن کے اہل ان کے وارث ہیں۔

(مسند ابویعلی جلد 1 صفحہ 40 طبع بیروت وسندہ صحیح)

اَب حدیث لانورث کا ردتو ابوبکر کی زبانی بھی ہو گیا کہ وہ خود فرمارہے ہیں کہ نبیؐ کے اہل ان کے وارث ہیں۔

لہٰذا حدیث لانورث کا وضعی ہونا خود حضرت کی زبانی ثابت ہو گیا۔

حضرت علیؑ کا ان کو چور ، خائن ، غدار ، جھوٹا سمجھنا:

مولا علی علیہ السلام اور حضرت عباسؓ نے بھی اس حدیث کو تسلیم نہ کیا جیسا کہ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت عمر نے جناب امیر علیہ السلام اور حضرت عباس سے کہا: تم دونوں نے ان (ابوبکر) کو چور، جھوٹا، خائن اور غدار سمجھا۔۔۔ پھر حضرت ابوبکر کی وفات ہوئی میں ولی ہوا تو آپ نے مجھے بھی جھوٹا، چور، خائن اور غدار سمجھا۔

(صحیح مسلم جلد 5 صفحہ 32 اُردو ترجمہ علامہ وحید الزمان)

اسی کا ایک طرق المصنف عبدالرزاق میں آیا ہے جس میں ظالم اور جابر کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔

(المصنف عبدالرزاق جلد 5 صفحہ 105 حدیث 10532 کتاب المغازی)

اس پر کہا جاتا ہے کہ یہاں استفہامی گفتگو ہوئی ہے کہ آپ نے ہمیں چور، جھوٹا، خائن اور غدار سمجھا؟

جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے علماء جو اس روایت کو نقل کرتے ہیں اس میں مذکورہ الفاظ کو چھپا گئے۔

(1)۔ مسند احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 483 حدیث 425 طبع موسسہ الرسالہ میں یہ روایت ہے جس میں ان الفاظ کو لکھا ہی نہیں گیا۔

(2)۔ مسند ابو یعلی جلد 1 صفحہ 13 حدیث 4 طبع مکتبہ الرشد میں بھی ان الفاظ کو حذف کر دیا گیا۔

(3)۔ امام بخاری نے بھی ان الفاظ کو گول کر دیا اور وہاں کذا و کذا لکھ دیا دیکھیں صحیح بخاری صفحہ 1365 حدیث 5358 کتاب النفقات طبع دار ابن کثیر۔

لہذا اگر استفہامی گفتگو ہوتی تو ان الفاظ کو چھپایا نہ جاتا۔

حضرت علیؑ کا آیات پڑھ کے سنانا

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا ابوبکر سے فدک طلب کرنے گئیں تو مولا علی علیہ السلام بھی اُن کے ساتھ گئے جب ابوبکر نے حدیث لانورث پڑھی تو مولا علی علیہ السلام نے اس کے

جواب میں جناب زکریا کی دُعا والی آیت اور جناب سلیمانؑ کے جناب داؤدؑ کے وارث ہونے والی آیات کی تلاوت کیں جس کے بعد ابوبکر خاموش ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد جلد 2 صفحہ 241 طبع بیروت

طبقات ابن سعد حصہ دوئم صفحہ 251 طبع نفیس اکیڈمی اُردو)

اب اگر جناب امیر المومنینؑ نے اِس حدیث لانورث کو تسلیم کیا ہوتا تو وہ ابوبکر وعمر کو جھوٹا چور خائن غدار نہ کہتے اور نہ ہی مذکورہ آیات سے استدلال کرتے۔

لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ حدیث لانورث مولا علی علیہ السلام کی نظر میں بھی باطل تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاملوں کی تنخواہ اور ازواج کا خرچہ :

ابوہریرہ سے روایت نقل ہوئی ہے جس کا متن حدیث لانورث سے واضح طور پر ٹکراتا ہے ملاحظہ ہوں :

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے وارث میرے بعد ایک دینار بھی نہ بانٹیں (میراتر کہ تقسیم نہ کریں) جو میں چھوڑ جاؤں اس میں میری بیویوں کا نفقہ اور میرے عاملوں کی تنخواہیں نکال کر باقی صدقہ ہے۔

(صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 471 اُردو ترجمہ مولانا داؤد راز)

اُب ابوبکر سے جو حدیث آئی وہ یہ کہ ہم نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا ماترکنا صدقۃ جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے لیکن ابوہریرہ والی حدیث میں بیویوں کا نفقہ اور عاملوں کی تنخواہ کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔

دونوں احادیث میں واضح تضاد موجود ہے۔

اور ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ

کون سی شریعت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل اولاد کو ایک روپیہ بھی نہ ملے اور بیویوں اور عاملوں کو خرچہ بھی ہو اور تنخواہ بھی ؟؟ سبحان اللہ۔

زید میرے وارث اور میں ان کا وارث :

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی زبانی بھی حدیث لانورث کا رد موجود ہے کہ اہلِ سنت کی کم از کم 33 کتب میں موجود ہے کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب زید بن حارثہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تو فرمایا :

یامعشر قریش اشهد انه ابنی یرثنی وارثه

اے قریش کے لوگو گواہ رہو کہ میرا یہ بیٹا (زید بن حارثہ) میرا وارث ہے اور میں اس کا وارث ہوں۔

یہاں فقط 10 کتب کے حوالہ جات نقل کئے جاتے ہیں۔

(1)۔ الاستیعاب فی معرفت الاصحاب جلد 1 صفحہ 412 اُردو

(2)۔ تفسیر روح المعانی جلد 8 صفحہ 146 طبع بیروت

(3)۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد 2 صفحہ 496 طبع بیروت

(4)۔ معجم الصحابہ جلد 1 صفحہ 217 امام ابن قانع طبع بیروت

(5)۔ صدایۃ الباقی صفحہ 83 حافظ عراقی طبع بیروت

(6)۔ الدین الخالص جلد 5 صفحہ 239 امام محمود خطاب السبکی طبع بیروت

(7)۔ زاد المعاد صفحہ 311 امام ابن قیم الجوزیہ طبع بیروت

(8)۔ تفسیر قرطبی جلد 7 صفحہ 79 طبع بیروت

(9)۔ تفسیر المنار جلد 11 صفحہ 161 طبع بیروت

(10)۔ جامع الاصول جلد 13 صفحہ 65 امام ابن اثیر الجزری طبع بیروت

اب اس میں فقط علمی وراثت مراد تو نہیں ہو سکتی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمایا کہ یہ میرا وارث اور میَں اِس کا وارث تو کیا نبی علم میں جناب زید کے وارث تھے ؟؟

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہاں مالی وراثت بھی مقصود ہے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا کہ نبی وارث بھی ہوتے ہیں اور نبیوں کے وارث بھی ہوتے ہیں۔

حضرت عمر کا کچھ زمینیں حضرت علیؑ کو دینا :

حضرت عمر نے حدیث لانورث کی سراسر مخالفت کی کہ حضرت ابوبکر نے حدیث لانورث کی وجہ سے جنابِ سیّدہ سلام اللہ علیہا کو فدک نہ دیا لیکن حضرت عمر نے اپنے دورِ خلافت میں مدینہ کی کچھ جگہیں مولا علی علیہ السلام اور جناب عباس کو دے دیں۔

ملاحظہ کریں صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 465 اُردو ترجمہ مولانا داؤد راز۔

لہٰذا اگر مالِ فئی کسی کو دیا نہیں جا سکتا بلکہ صرف حکومت کی نگرانی میں رہتا ہے تو پھر حضرت عمر نے کس دلیل کے تحت یہ مالِ فئی جناب امیر اور جناب عباس کو دے دیا ؟ ؟

لہٰذا یہاں سے بھی حدیث لانورث کا بطلان ہوتا ہے کہ اگر نبی کا چھوڑا ہوا مال صدقہ ہے تو پھر حضرت عمر نے کیسے وہ جناب امیر اور جناب عباس کو دے دیں ؟؟

حضرت عثمان کا فدک مروان کو دینا :

حضرت عثمان نے حدیث لانورث کی سراسر مخالفت کی اور فدک کو بطورِ جاگیر مروان بن حکم کو دے دیا جیسا کہ کتب اہلِ سنت میں آیا ہے :

انما اقطع عثمان فدك لمروان

عثمان نے اپنے دورِ خلافت میں فدک مروان کو بطورِ جاگیر دے دیا۔

ملاحظہ ہوں کتب اہلِ سنت :

(1)۔ معالم السنن جلد 3 صفحہ 40 امام خطابی

(2)۔ فتح الباری جلد 7 صفحہ 354 طبع دار طیبہ

(3)۔ المہذب فی اختصار السنن جلد 5 صفحہ 2467 امام ذہبی

(4)۔ المفہم تلخیص کتاب مسلم جلد 3 صفحہ 568 امام قرطبی طبع بیروت

(5)۔ بذل المجہود فی حل ابی داؤد جلد 7 صفحہ 139

امام سہارنپوری طبع بیروت

(6)۔ السنن الکبریٰ للبیہقی جلد 6 صفحہ 491 طبع بیروت

(7)۔ المعارف ابن قتیبہ صفحہ 195

(8)۔ المختصر فی اخبار البشر جلد 1 صفحہ 169 امام عماد الدین ابو الفداء طبع مصر

(9)۔ کشف المشکل من حدیث الصحیحین جلد 1 صفحہ 30

امام ابن الجوزی طبع ریاض

(10)۔ نیل الاوطار امام شوکانی جلد 5 صفحہ 345

تو اب ہم کہتے ہیں کہ جو رسول چھوڑیں وہ صدقہ ہے تو حضرت عثمان نے

فدک کو بطورِ جاگیر کیسے مروان کو دے دیا ؟؟؟

مطلب کے حدیث لانورث ایک موضوع حدیث تھی جس کی وجہ سے فقط فدک کو قابو کیا گیا بعد میں حدیث لانورث پہ کوئی عمل درآمد نہ ہوا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کا خرچہ طلب کرنا :

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود وارث ہوئے ہیں کہ ان کی کنیز اُم ایمن اُن کو اُن کے والد جناب عبداللہ علیہ السلام سے وراثت میں ملی ۔

کتب اہلِ سنت میں درج ہے کہ :

وورث رسول الله صلى الله عليه وسلم من ابيه ام ايمن -

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُم ایمن ان کے والد کی طرف سے میراث میں ملیں۔

کتب اہلِ سنت ملاحظہ ہوں :

(1)۔ مرشد المختار الی خصائص المختار صفحہ 116 امام ابن طولون دمشقی حنفی طبع بیروت

(2)۔ اسد الغابہ جلد 1 صفحہ 122 طبع بیروت

(3)۔ مشکل الاثار جلد 1 صفحہ 293 امام طحاوی طبع بیروت

(4)۔ الاحکام السلطانیہ صفحہ 201 قاضی ابویعلی حنبلی طبع بیروت

(5)۔ عمدۃ القاری شرح بخاری جلد 16 صفحہ 323 طبع بیروت

(6)۔ فتح الباری شرح بخاری جلد 7 صفحہ 110 طبع سعودیہ

(7)۔ انساب الاشراف جلد 1 صفحہ 40 امام بلاذری

(8)۔ المعتصر من المختصر من مشکل الاثار جلد 2 صفحہ 101

قاضی یوسف حنفی، طبع بیروت

یہ بات بھی حدیث لانورث کے خلاف جاتی ہے کیونکہ خود ابوبکر کے بقول نا انبیاء کا کوئی وارث ہوتا ہے نا انبیاء کسی کے وارث ہوتے ہیں جب کہ یہاں نبی پاک ﷺ تو خود میراث پا رہے ہیں اپنے والد سے۔

نبی ﷺ کو تلوار وراثت میں ملی :

نبی پاک ﷺ کو اپنے والد جناب عبداللہ ؑ سے ایک تلوار بھی وراثت میں ملی جس کا نام ماثور تھا جیسا کہ کتب اہلِ سنت میں ہے :

لہ تسعة اسیاف ماثور : ھو اول سیف ملکه ورث من ابیه۔

نبی ﷺ کے پاس 9 تلواریں تھیں جن میں سے ایک ماثور تھی اور یہ وہ اوّل تلوار تھی جو آپ کی ملکیت تھی اور آپ ﷺ کو اپنے والد کی طرف سے وراثت میں ملی تھی۔

دیکھیں کتب اہلِ سنت :

(1)۔ تاریخ اسلام جلد 1 صفحہ 606 امام ذہبی طبع بیروت

(2)۔ موسوعہ الاسماء والاعلام المحمدیہ جلد 1 صفحہ 211 عبداللہ بن عبداللہ الازکاوی شافعی

(3)۔ سبل الهدیٰ والرشاد جلد 7 صفحہ 363 امام صالحی شامی طبع بیروت

(4)۔ زاد المعاد صفحہ 43 امام ابن قیم الجوزیہ طبع بیروت

(5)۔ شرح العلامہ زرقانی علی المواهب اللدنیا جلد 5 صفحہ 85 طبع بیروت

اَب اس بات سے بھی حدیث لانورث کا رَد ہوتا ہے کہ جب نبی کوتلوار اپنے والد سے وراثت میں ملی تو پھر حدیث لانورث کیسے صحیح حدیث ہوسکتی ہے ؟؟

عمر بن عبدالعزیز کا فدک لوٹانا :

اگر حدیث لانورث صحیح ہے کہ نبی جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے تو پھر جن کو اہلِ سنت خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہیں یعنی عمر بن عبدالعزیز انہوں نے فدک واپس سادات کو کیوں لوٹایا ؟؟؟

اہلِ سنت کتب میں ملتا ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے فرمایا :

لیس لی بحق وانا اشھد کم انی قد رددتھا علی ما کانت یعنی علی عھد رسول اللہ۔

اس میں میرا کوئی حق نہیں اور مَیں تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ مَیں فدک واپس لوٹا رہا ہوں جہاں پر وہ تھا یعنی رسول کے زمانہ میں۔

(1)۔ مسند عمر بن العزیز صفحہ 210 طبع بیروت، امام ابوبکر الباغندی

(2)۔ فتح الباری جلد 7 صفحہ 354 طبع دار طیبہ

(3)۔ المہذب فی اختصار السنن جلد 5 صفحہ 2467 امام ذہبی

(4)۔ المفہم تلخیص کتاب مسلم جلد 3 صفحہ 568 امام قرطبی، طبع بیروت

(5)۔ بذل المجہود فی حل ابی داؤد جلد 7 صفحہ 139 امام سہارنپوری طبع بیروت

(6)۔ السنن الکبریٰ للبیہقی جلد 6 صفحہ 491 طبع بیروت

مزید اہلِ سنت کتب میں یہ الفاظ ملتے ہیں :

کتب امیرالمومنین الی المبارك الطبری مولی امیرالمومنین یامره برد فدك علی ورثة فاطمه بنت رسول الله ۔

عمر بن عبدالعزیز نے اپنے غلام مبارک طبری کو خط لکھا اور حکم دیا کہ فدک بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے وارثوں کو لوٹا دو۔

دیکھیں کتب اہل سنت :

(1)۔ خلیفۃ الزاہد عمر بن عبدالعزیز صفحہ 257 اُردو طبع نفیس اکیڈمی مصنف عبدالعزیز سید الاھل

(2)۔ فتوح البلدان لامام بلاذری صفحہ 27 طبع بیروت

(3)۔ نقہ سیرۃ الامیر المومنین عمر بن عبدالعزیز صفحہ 146 محمد شریف الراشد طبع بیروت

(4)۔ حاشیۃ الاغانی للراغب اصفہانی جلد 9 صفحہ 357 شیخ عبداعلی مہنا طبع بیروت

(5)۔ وفاء الوفاء للسمہودی جلد 3،4 صفحہ 158 طبع بیروت

(6)۔ اعلام النساء جلد 4 صفحہ 120 عمر رضا کحالہ

تو اگر جو نبی چھوڑیں وہ صدقہ ہے تو فدک واپس اولادِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو کیوں لوٹایا گیا ؟؟ اور لوٹانے والے اہلِ خلیفہ راشد ہیں اور فرما بھی رہے ہیں کہ فدک میں میرا حق نہیں یعنی یہ لاوارث باغ نہیں تھا بلکہ اس کے وارث سادات ہی تھے اور یہ کہہ کر انہوں نے واپس لوٹا دیا کہ جیسے یہ عہد نبوی میں تھا ویسے ہی ہوگا مطلب عہد نبوی میں

بھی یہ اہلِ بیتؑ کے پاس ہی تھا۔

تو عمر بن عبد العزیز کا یہ عمل اور فرمان واضح طور پر حدیث لانورث کو باطل کرتا ہے۔

تو اِن تمام دلائل و براہین سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث لانورث کی کوئی اصل نہیں۔

اعتراض نمبر 5 :

شیعہ کتاب اصولِ کافی میں امام صادقؑ سے بھی یہ روایت ہے کہ نبی کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ صرف علم چھوڑتے ہیں لہٰذا حضرت ابوبکر کی پیش کردہ حدیث شیعہ کتب سے ثابت ہے۔

جواب :

شیعہ کی کتاب اصولِ کافی میں حدیث لانورث کی شاہد روایت ہے کہ :

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ان العلماء ورثة الانبیاء وذاك ان الانبیاء لم یورثوا درھما و دینار اوانما اور ثوا احادیث من احادیثھم ۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کوئی درہم و دینار وراثت میں نہیں چھوڑتے بلکہ صرف اپنی احادیث میں سے احادیث چھوڑتے ہیں۔

(اصولِ کافی جلد 1 صفحہ 71 اردو ترجمہ)

اس میں لفظ انما استعمال ہوا ہے کہ صرف احادیث وراثت میں چھوڑتے ہیں لیکن اس کی سند ضعیف ہے ملاحظہ ہوں اس کی سند ۔

محمد بن یحی عن احمد بن محمد بن عیسی عن محمد بن خالد عن

ابی البختری عن ابی عبداللہ علیہ السلام۔

اس کی سند میں ابی البختری اور کذاب ہے جیسا کہ رجال النجاشی صفحہ 272 مخطوطہ، خلاصۃ الاقوال صفحہ 414 علامہ حلی، معجم الرجال الحدیث وغیرہم یہی وجہ ہے کہ علامہ باقر مجلسی نے مراۃ العقول جلد 1 صفحہ 103 پر اسے ضعیف کہا ہے۔

لیکن ایک حدیث بسند موثق آئی ہے جس پر کلام کیا جائے گا کہ :

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ؐ نے فرمایا جو شخص طلب علم کے لئے راستہ طے کرتا ہے اللہ اُس کو جنت کی طرف لے جاتا ہے اور ملائکہ اپنے پروں کو طالب علم کے لئے بچھاتے ہیں کیونکہ وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور آسمان وزمین کے رہنے والے حتیٰ کہ دریا کی مچھلیاں طالب علم کے لئے استغفار کرتی ہیں اور عالمِ دین کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی چاند کی ستاروں پر اور چاندنی رات پر اور علماء وارثِ انبیاء نہیں چھوڑتے درہم و دینار بلکہ علم دین چھوڑتے ہیں پس جس نے اس کو حاصل کیا اُس نے بڑا نصیبہ پایا۔

(اصولِ کافی جلد 1 صفحہ 76 باب ثواب عالم و متعلم حدیث نمبر 1)

علامہ مجلسیؒ اس کی سند کو موثق لکھتے ہیں :

(مراۃ العقول جلد 1 صفحہ 111)

اَب اس حدیث سے مخالفین استدلال قائم کرتے ہیں کہ شیعہ کے مطابق بھی انبیاء درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے۔ ہم کہتے ہیں کہ کسے درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے؟ اپنی آل اولاد کو یا علماء کو ؟

اس حدیث لانورث کا کوئی پہلو نہیں نکلتا کیونکہ یہاں خالصتاً علماء کی بات ہو رہی ہے اور علماء کے لئے انبیاء درہم و دینار کو وراثت میں کیسے چھوڑ کر جائیں ؟؟

اُمت اور علماء کے لیئے تو انبیاء علم ہی چھوڑ کر جائیں گے جیسا کہ اس حدیث کو بھی عالم و متعلم کے ثواب کے تحت نقل کیا گیا۔

اور اس حدیث میں تمام قرائن مجازی ہیں جیسا کہ فرشتوں کا راستے میں پر بچھانا اور آسمان و زمین میں رہنے والے حتیٰ کہ مچھلیاں بھی ان کے لئے استغفار کرتی ہیں یہ تمام قرائن مجازی ہیں جو خالصتاً علمائے اُمت پر صادق آتے ہیں کہ کہیں بھی یہاں انبیاء کے حقیقی ورثاء کی بات نہیں ہو رہی بلکہ فقط علماء کی بات ہے لیکن پھر بھی کوئی نہ مانے تو ہم کہیں گے کہ مذکورہ حدیث میں درہم و دینار کی عدم وراثت کا ذکر ہے جبکہ ہمارا مدعا فدک کی زمین ہے اور ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی پیش کردہ حدیث کے الفاظ کو مذکورہ حدیث کے الفاظ بھی رَد کرتے ہیں کیونکہ ابوبکر نے کہا ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے اَب اس میں الفاظ ما ترکنا صدقہ اب مالفظ سے مراد ہے جو بھی مطالب کے چاہے علم ہو چاہے مال ہو نبی کسی کو بطور وراثت نہیں چھوڑتے جبکہ الکافی میں ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

پس اس حدیث سے استدلال کرنا بھی حضرت ابوبکر کی پیش کردہ حدیث کو رَد کرتا ہے لیکن ہم اہل تشیع کے ہاں انبیاء کی وراثت ہوتی ہے جیسا کہ اسی الکافی میں ہم دیکھتے ہیں :

عن زرارہ عن ابی جعفر ع قال ورث علی ع علم رسول اللہ و

ورثت فاطمہ ع ترکتہ۔

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ علی علیہ السلام جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے وارث ہوئے اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترکہ (جو نبی چھوڑ کر گئے) کی وارث ہوئیں۔

(فروعِ الکافی جلد 7 صفحہ 56 کتاب المواریث باب میراث الولد حدیث 1 طبع بیروت)

علامہ مجلسی ؒ اس کی سند کو حسن قرار دیتے ہیں۔

(مراۃ العقول جلد 23 صفحہ 132)

تو اَب یہ معاملہ تو صاف ہوجاتا ہے کہ شیعی تراث میں انبیاء کی مالی وراثت نہ ہونے کا کوئی تصور نہیں بلکہ واضح الفاظ میں جناب سیدہ ؑ کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترکہ کا وارث ہونا موجود ہے اور جس حدیث کو مخالفین بطورِ استدلال حضرت ابوبکر کی پیش کردہ حدیث کے شاہد کے طور پر پیش کرتے ہیں دراصل یہ شاہد نہیں بلکہ حدیث لانورث کی ناقد ہے۔

اعتراض نمبر 6 :

اگر جناب سیدہ ؑ کی ناراضگی مان بھی لی جائے تو وہ بشری تقاضہ کے تحت تھی لہٰذا اِس پہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث فٹ نہیں ہوسکتی کہ جس نے فاطمہ ؑ کو ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا کیونکہ ایسی نارضگیاں تو مولا علی ؑ اور جناب سیدہ ؑ میں ہوجاتی تھی جیسا کہ شیعہ کتب جلاء العیون اور علل الشرائع میں آیا ہے تو کیا معاذ اللہ مولا علی ؑ پر بھی

یہی فتویٰ لگے گا ؟

جواب :

سب سے پہلے ہم ان روایات کا آپریشن کرتے ہیں جو شیعہ کتب سے لے کر کہا جاتا ہے کہ جناب زہرا ؑ اور جناب امیر ؑ کے درمیان بھی ناراضگیاں ہوتی تھیں۔

حق الیقین کی روایت :

پہلی روایت حق الیقین علامہ مجلسیؒ سے پیش کی جاتی ہے کہ جب جناب سیدہ سلام اللہ علیہا حضرت ابوبکر کے دربار سے واپس آئیں تو حضرت علی علیہ السلام پر بہت زیادہ غصہ ہوئیں اور شکایت کی۔

یہ روایت علامہ مجلسیؒ نے امالی شیخ طوسیؒ سے نقل کی ہے جس کی سند کچھ یوں ہے :

وعنه ، قال : اخبرنا ابوالحسن محمد بن احمد بن شاذان ، قال : حدثنی ابو الحسین محمد بن علی بن المفضل بن همام الکوفی. قال : حدثنی محمد ابن علی بن معمر الکوفی .قال : حدثنی محمد بن الحسین الزیات الکوفی .قال : حدثنا احمد بن محمد ، قال:حدثنی ابان بن تغلب ، عن جعفر بن محمد(علیهما السلام)

(الامالی شیخ طوسی صفحہ 956 مجلس38 حدیث8 طبع تہران)

اس کی سند میں محمد بن علی بن المفضل بن ہمام الکوفی مجہول راوی ہے کہ کسی عالم نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

شیخ علی نمازی شاہرودی اس کے بارے میں لکھتے ہیں لم یذکروہ کہ اس کا ذکر کہیں نہیں

ہوا۔ (مستدرکات علم رجال الحدیث 7 صفحہ 246)

بحارالانوار کی روایت :

اِسی طرح ایک روایت بحارالانوار سے نقل کی جاتی ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیرؑ اور سیدہ زہراءؑ کے درمیان صلح کروائی تو بہت خوش ہوئے۔

(بحارالانوار جلد 43 صفحہ 42)۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس روایت کے شروع میں لکھا ہے :

مناقب ابن شهر آشوب : ابن عبد ربه الاندلسی فی العقد عن عبدالله بن الزبیر فی خبر عن معاویة بن ابی سفیان قال۔۔۔

اِبن شہر آشوب نے مناقب میں کہا کہ اِبن عبدربہ اندلسی نے عقد الفرید میں عبداللہ بن زبیر سے انہوں نے معاویہ سے نقل کیا۔۔۔

پہلی بات تو یہ کہ عقد الفرید اِبن عبدربہ اہلِ سنت کی کتاب ہے لہٰذا اِس روایت کی حجیت ہم پر ثابت نہیں ہوسکتی دوسری بات کہ اس کے مرکزی راوی معاویہ بن ابی سفیان لائق التفات واستدلال نہیں کہ ان کی حدیث پر اعتماد کیا جائے لہٰذا دونوں جہتوں سے روایت ہم پہ حجت نہیں۔

حدیث ابوتراب در جلاء العیون و علل الشرائع :

اِسی طرح ایک روایت جو کہ اِس ضمن میں ہے کہ جناب امیرؑ اور جناب سیدہؑ کے درمیان ناراضگی ہوئی اور جناب امیرؑ کہیں باہر جا کر مٹی پہ سو گئے تو جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آکر کہا اُٹھو اے ابوتراب اور ان کی صلح کروائی۔

اس کی دو اسناد علل الشرائع میں بیان ہوئی ہیں باقی سب اس کے ناقل ہیں ملاحظہ ہوں۔

پہلی سند :

حدثنا احمد بن الحسن القطان قال :حدثنا ابو سعید الحسن بن علی السکری قال :حدثنا الحسین بن حسان العبدی قال: حدثنا عبد العزیز بن مسلم عن یحییٰ بن عبد اللہ عن ابیہ عن ابی هریرة ----

دوسری سند :

حدثنا احمد بن الحسن القطان قال :حدثنا الحسن بن علی بن الحسین السکری قال حدثنا عثمان بن عمران قال :حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ عن عبد العزیز عن حبیب بن ابی ثابت قال---

(علل الشرائع جلد 1 صفحہ 211،212 باب 125 حدیث 1،2)

اب اس کی پہلی سند میں ابو سعید حسن بن علی السکری مجہول راوی ہے۔

(مستدرکات علم رجال الحدیث جلد 2 صفحہ 454)

اس کے علاوہ حسین بن حسان العبدی کے حالات ہمیں نہیں مل سکے۔

عبدالعزیز بن مسلم بھی مجہول راوی ہے۔

(معجم رجال الحدیث جلد 11 صفحہ 39)

اور مرکزی راوی ابو ہریرہ ہیں جو ہمارے نزدیک قابل استدلال نہیں۔

دوسری سند کا حال دیکھیں کہ حسن بن علی حسین السکری مجہول راوی جس کا ذکر پہلی سند میں بھی ہے۔

حبیب بن ابی ثابت بھی مجہول ہے۔

(المفید من معجم رجال الحدیث صفحہ 126 شیخ جواہری)

یہی وجہ ہے کہ ان دونوں روایات کو نقل کرنے کے بعد شیخ صدوق خود ان کا رد کرتے ہیں اور لکھتے ہیں :

یہ خبر میرے نزدیک معتمد نہیں اور نہ ہی میرا اعتقاد اِس روایت پر ہے کیونکہ جناب امیرؑ اور سیدہ زہراءؑ کے درمیان ایسی بات ہونا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی صلح کروائیں ممکن نہیں۔۔۔

لہٰذا یہ روایات بھی مورد استدلال نہیں بلکہ شدید ضعیف ہیں۔

جعفر طیار کا ایک کنیز دینا :

پھر ایک روایت حضرت ابوذر سے منسوب ہے کہ جس میں طویل واقعہ ہے جس کا لب لباب یہ کہ جناب جعفر طیار نے ایک کنیز جناب امیر علیہ السلام کو دی جس پہ جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کو غصہ آیا۔

اس کی اسنادی حیثیت بھی دیکھ لیں :

ابی رحمہ اللہ قال : حدثنا سعد بن عبداللہ قال : حدثنا الحسن بن عرفۃ (بسر من رای) قال : حدثنا وکیع قال : حدثنا محمد بن اسرائیل قال حدثنا ابو صالح عن ابی ذر رحمۃ اللہ علیہ قول

(علل الشرائع شیخ صدوق جلد 1 صفحہ 221 باب 130 حدیث 2)

اس کی سند میں بھی حسن بن عرفہ ، وکیع بن جراح اور محمد بن اسرائیل مجہول ہیں لہٰذا یہ روایت بھی کسی کام کی نہیں۔

ابو جہل کی بیٹی سے خواستگاری :

ایک روایت یہ بھی نقل کی جاتی ہے کہ جناب امیرؑ نے ابو جہل کی بیٹی سے رشتہ کرنے کی خواہش ظاہر کی جس پر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا مولا سے ناراض ہوئیں اور غمگین ہوئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے فاطمہؑ کو ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا۔

ہم اس کی بھی سند کا حال دیکھتے ہیں :

حدثنا علی بن احمد قال :حدثنا ابو العباس احمد بن محمد بن یحییٰ عن عمرو ابن ابی المقدام وزیاد بن عبداللہ قال : اتی رجل اباعبداللہ ع --

(علل الشرائع 7 صفحہ 185 طبع حیدریہ)

اوّل تو اس کی سند انقطاع ہے کہ احمد بن محمد بن یحی العطار شیخ صدوق کے اُستاد ہیں اور عمرو بن ابی مقدام امام صادق علیہ السلام کے صحابی ہیں لہٰذا یہیں سے اس روایت کا بھی رد ہوا مزید یہ کہ اس کی سند کے پہلے راوی علی بن احمد بن متیل شیخ صدوق کے اُستاد مجہول ہیں۔

(المفید من معجم رجال الحدیث صفحہ 384)

تو اَب یہاں تک ان تمام روایات کا جواب ہوا جو شیعہ کتب سے اس چیز کے اثبات پر پیش کی جاتی ہیں کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا مولا علی علیہ السلام سے بھی ناراض ہو جاتی تھیں۔

رہ گئی بات کہ جناب سیدہ ؑ کا ابوبکر سے ناراض ہونا بشری تقاضہ کے تحت تھا تو یہ ایک بوگس اعتراض ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حدیث آئی ہے کہ فاطمہ ؑ میرا ٹکڑا ہے جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔

(صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 218 باب مناقب فاطمہؑ صحیح مسلم جلد 7 صفحہ 140)

ایک اور مقام پر ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے :

عن علی (ر) قال : قال رسول الله (ص) لفاطمة ان الله يغضب لغضبك ويرضى لرضاك ۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا سے فرمایا کہ اللہ آپ کے غضب سے غضبناک ہوتا ہے اور آپ کی رضا سے راضی ہوتا ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین جلد 3 صفحہ 154 وقال الحاکم سندہ صحیح)

تو جب واضح نصوص موجود ہیں کہ جناب سیدہ ؑ کی رضا میں اللہ و رسول کی رضا ہے تو بشری تقاضہ کہاں سے ٹپک آیا ؟ یا تو کسی حدیث سے اس چیز کا استثنیٰ دکھایا جائے کہ جناب سیدہ ؑ جب بشری تقاضہ کہ تحت ناراض ہوں تب خیر ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ جناب سیدہ ؑ چاہے کسی سے بھی ناراض ہوں یا غضبناک ہوں وہ حقیقی معنوں میں ہی لیا جائے گا۔

اعتراض نمبر 7 :

جناب سیدہ ؑ کا فدک کا مطالبہ بطورِ وراثت نہ تھا بلکہ تولیت کے تحت تھا کہ فدک ہمارے اختیار میں رہے نا کہ حکومت کے اختیار میں۔

جواب :

ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک بوگس اعتراض ہے کیونکہ روایات اس پر شاہد ہیں کہ جناب سیدہ زہراء ؑ نے تولیت کا نہیں بلکہ وراثت کا ہی دعویٰ کیا تھا جیسا کہ بخاری میں آتا ہے کہ جناب سیدہ ؑ نے ابوبکر سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترکہ سے میراث کا سوال کیا۔

علاوہ ازیں مسند ابویعلی کی حدیث صحیح میں جناب سیدہ ؑ کا ابوبکر سے کہنا کہ تمہارے بعد تمہارا وارث کون ہوگا ؟

طبقات ابن سعد میں مولا علی ؑ کا انبیاء کی میراث پر آیات پڑھ کر سنانا۔

اسی طرح ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ سے حدیث آئی ہے کہ جناب سیدہ ؑ نے ابوبکر سے فرمایا کہ آپ کا وارث کون ہوگا ؟

حضرت ابوبکر نے کہا میرے اہل بیت ؑ اور میری اولاد اس پر جناب سیدہ ؑ نے فرمایا پھر میں اپنے والد کی وارث کیوں نہیں ہوں ؟

(ترمذی شریف جلد 1 صفحہ 622 باب ما جاء فی ترکۃ النبی اُردو ترجمہ)

ان قرائن سے واضح ہے کہ یہاں دعویٰ میراث کا تھا نا کہ تولیت کا۔

اعتراض نمبر 8 :

فدک مالِ فئی تھا اور مالِ فئی کے احکام شیعہ سُنی کتب میں ملتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد فئی کا اختیار امام وخلیفہ کے پاس ہے لہذا حضرت ابوبکر کا فدک کو اپنے اختیار میں رکھنا بحکم شرعی تھا لہذا حضرت ابوبکر نے فدک پہ کوئی قبضہ نہیں کیا۔

جواب :

بالکل اس معاملہ میں شیعہ سُنی متفق ہیں کہ مالِ فئی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار میں ان کی ملکیت ہے اور ان کے بعد ان کے قائم مقام امام برحق کی ملکیت ہے کہ وہ اسے جیسے چاہیں صرف کریں لیکن اسکے لئے نبی ص کے بعد امام برحق ہونا ضروری ہے کہ جنکی خلافت وامامت ثابت ہونا کہ شوریٰ سے خلیفہ بن جائیں اور فئی پر قابض ہو جائیں۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے فقط فدک کو ہی تحویل میں کیوں لیا ؟ ہم نے فتوح البلدان سے دکھایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافی سارے اموال فئی صحابہ کو دیئے وہ حکومت کی تحویل میں کیوں نہ آئے ؟

جبکہ فدک بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی میں ہی جناب سیدہ ؑ کو ہبہ کر چکے تھے جو کہ ہم نے معتبر روایات سے ثابت کیا لہذا حضرت ابوبکر کا فدک کو تحویل میں لینا نہیں بنتا تھا اور صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے فدک پر قبضہ کیا جیسا کہ

حضرت عمر کا قول ملاحظہ ہو :

قال عمر ثم توفی اللہ نبیہ ص فقال ابوبکر انا ولی رسول اللہ ص فقبضھا ابوبکر فعمل فیھا بما عمل رسول اللہ --

حضرت عمرؓ نے کہا کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات دی تو حضرت ابوبکر نے کہا

کہ مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وَلی (خلیفہ) ہوں پس حضرت ابوبکر نے اس (فدک) پر قبضہ کیا اور ویسا ہی عمل کیا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے۔

(صحیح بخاری جلد 3 صفحہ 98 حدیث 4033 طبع قاہرہ)

تو یہاں صاف الفاظ میں حضرت ابوبکر کا فدک پر قابض ہونا بھی موجود ہے۔

اعتراض نمبر 9 :

اگر حضرت ابوبکر نے فدک اپنے پاس رکھا تو ایسا ہی حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علیؑ کے دور میں بھی ہوا تو حضرت علیؑ نے اپنے دور میں فدک واپس کیوں نہ لیا۔

جواب :

سب سے پہلے تو یہ کہ اعتراض نمبر 4 کے جواب میں ہم نے اہلِ سنت کی 10 کتب سے ثابت کیا تھا کہ حضرت عثمان نے اپنے دور میں فدک مروان کو بطورِ جاگیر دے دیا تھا لہٰذا فدک مولا علیؑ کے پاس آیا ہی نہیں۔

دوسری بات مولا علی علیہ السلام کا فدک واپس نہ لینا اِس بات کی دلیل ہے کہ فدک انہی کی ملکیت تھا کیونکہ اگر فدک کو مولاؑ کی ملکیت نہ ہوتا تو پھر تو حکومت کی ہی تحویل میں آنا چاہیے تھا کیونکہ مالِ فئی یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خالصہ ہوتا ہے یا ان کے بعد امام کا کہ وہ جہاں چاہیں وہاں خرچ کریں لیکن مولاؑ نے مروان سے فدک واپس نہ کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ فدک انہی کی ملکیت تھا لہٰذا یہ ذاتی مال مولاؑ نے حکومت کے زور پر واپس نہیں لیا۔

اگر مولاؑ حکومت کے زور پر فدک واپس لیتے تو یہ ایک غیر آئینی فعل ہوتا کہ ذاتی مال کو حکومت کے زور پہ واپس لیں اور مولاؑ غیر آئینی فعل انجام نہیں دے سکتے۔ ویسے بھی جناب امیر علیہ السلام کے مخالفین تو عیب کی تلاش میں رہتے تھے تو اگر ان منتشر حالات میں جناب امیر علیہ السلام فدک واپس لیتے تو مخالفین یقیناً معاذ اللہ انہیں مال کا حریص کہتے اور نیا فتنہ فساد برپا ہو جاتا۔

اَب ہم روایات کی روشنی میں دیکھتے ہیں سب سے پہلے ہم شیعہ کتب سے ایک حدیث (فقط ترجمہ) پیش کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ جناب امیر علیہ السلام نے فدک واپس کیوں نہ لیا ؟

تو امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں ایسا کیا کہ فتح مکہ کے موقع پر عقیل نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکان بیچ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر واپس جائیں گے ؟

تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا عقیل نے ہمارے لئے گھر چھوڑا ہے ؟

(علل الشرائع جلد 1 صفحہ 210 باب 124 حدیث 2 طبع قم)

یہ واقعہ بخاری و مسلم میں آیا ہے :

اسامة بن زيد بن حارثة انه قال يارسول الله اتنزل فی دارك بمكة فقال وهل ترك لنا عقيل من رباع او دور۔

اسامہ بن زید نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ مکہ میں آپ اپنے گھر میں آئیں گے ؟

تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی مکان یا محلہ چھوڑا ہے ؟

(صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 147 حدیث 1588

شرح صحیح مسلم لنووی جلد 9 صفحہ 479 حدیث 1351)

تو اَب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے مکان کو واپس نہ لینا یا اس پہ کوئی کوشش نہ کرنا کیا اس بات کی دلیل ہے کہ عقیل نے صحیح کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے راضی تھے؟ ہرگز نہیں بلکہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں سکوت کیا اسی طرح مولا علی علیہ السلام نے وہاں سکوت کیا۔

مزید ایک الزامی جواب بھی پیش کر رہے ہیں کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا کہ اگر تمہاری قوم کا زمانہ ابھی کفر سے تازہ نہ ہوتا تو میں کعبہ کو توڑ کر اُسے ابراہیمؑ کی بنیاد پر بناتا کیونکہ قریش نے اس میں کمی کر دی ہے۔

(بخاری جلد 2 صفحہ 146 حدیث 1585 صحیح مسلم جلد 2 صفحہ 969 حدیث 1333)

تو ہم کہتے ہیں کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصلحتاً کعبہ کو دوبارہ سے نہیں بنوایا کہ لوگ تازہ تازہ مسلمان ہیں کہیں اسلام سے نہ جاتے رہیں اسی طرح مولا علی علیہ السلام نے بھی مصلحتاً فدک نہ لیا کہ کہیں خانہ جنگی کا ماحول قائم نہ ہو۔

اعتراض نمبر 10 :

شیعہ کی کتب شرح نہج البلاغہ ابن میثم، حق الیقین علامہ مجلسیؒ اور بیت الاحزان شیخ عباس قمی میں ہے کہ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا بعد میں راضی ہو گئی تھیں لہٰذا ناراضگی کا ختم ہو جانا بھی ثابت ہے۔

جواب :

ہم یہاں پر پوری پوری روایت نقل نہیں کریں گے کیونکہ روایت بہت طویل ہے لہٰذا مخالفین کے مطالب نقل کریں گے تو سب سے پہلے ہم شرح نہج البلاغہ کی روایت کا حال دیکھتے ہیں کہ ابن میثم بحرانی نے نقل کیا ہے المختصر یہ کہ حضرت ابوبکر نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے گواہ طلب کئے تو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے جناب امیر المومنین علیہ السلام اور اُم ایمن کی گواہی پیش کی جس پر ابوبکر نے کہا کہ مَیں فدک کی آمدنی کو ایسے ہی تقسیم کروں گا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے (آگے یہ الفاظ ملتے ہیں) فرضیت بذلك واخذت العهد عليه به۔

پس جناب سیدہ سلام اللہ علیہا اس پہ راضی ہو گئیں اور ان سے اس بات پہ عہد لے لیا۔

(شرح نہج البلاغہ ابن میثم بحرانی جلد 5 صفحہ 101)

اب یہاں پتے کی بات کہ ابن میثم البحرانی نے اس بے سند روایت کو لفظ {روی} سے نقل کیا ہے جو کہ صیغہ تمریض کہلاتا ہے اور یہ ضعیف روایت کے ضعف کو ثابت کرنے کے لئے لکھا جاتا ہے اور اس بات کو باقاعدہ اصول حدیث کی کتب میں لکھا گیا ہے؛ ملاحظہ ہوں :

(1)۔ الباعث الحثیث صفحہ 86 شیخ احمد شاکر طبع بیروت

(2)۔ الوسیط فی علوم و مصطلح الحدیث صفحہ 279 محمد بن محمد شهبه

(3)۔ المشترک اللفظی فی مصطلحات صفحہ 56، 57۔یحی بن عبداللہ الشمالی

(4)۔ قواعد التحدیث علامہ جمال الدین قاسمی

اور 2 حوالہ جات علمائے تشیع کے بھی لکھ دیتے ہیں۔

(1)۔ الفوائد الرجالیہ صفحہ 211 شیخ مہدی الکجوری

(2)۔ الرسائل الرجالیہ جلد 2 صفحہ 140 ابوالمعالی محمد بن ابراہیم کلباسی

لہٰذا یہ روایت تو ضعیف ہوئی اور ہمارا دعویٰ ہے کہ مذکورہ روایت کی کوئی سند اہلِ تشیع کے ہاں موجود نہیں بلکہ ابن میثم نے اس کو اہلِ سنت منابع سے رَد کرنے کے لئے لکھا۔

مزید ایک روایت بیت الاحزان صفحہ 164 اُردو ترجمہ اور حق الیقین صفحہ 202 پر موجود ہے جس کے آخر میں الفاظ ہیں کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا ان سے راضی ہوگئیں۔

اب شیخ عباس قمی نے بیت الاحزان صفحہ 162 پر لکھا ہے :

اہل سنت کے مشہور عالم ابن ابی الحدید نے جوہری کی کتاب السقیفہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شعبی کی روایت ہے۔۔۔

اور علامہ مجلسیؒ نے حق الیقین صفحہ 201 اُردو ترجمہ میں لکھتے ہیں :

جوہری نے ابوبکر باہلی سے اور اسماعیل بن مجاہد نے شعبی سے روایت کی ہے۔۔۔

اب ہم کہتے ہیں کہ ابن ابی الحدید جوہری دونوں اہلِ سنت علماء میں سے ہیں جن کا تشیع سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا روایات ہم پہ حجت نہیں۔

مزید یہ کہ ابوبکر باہلی راوی مجہول ہے اور دونوں کتب میں موجود روایات کا راوی شعبی ہمارے نزدیک فاسد العقیدہ ہے جیسا کہ علامہ تستری نے اصحاب امام جعفر صادق علیہ السلام میں لکھا ہے لہٰذا یہ روایت مردود ہے مزید یہ کہ اس روایت

کو نقل کرنے کے بعد علامہ مجلسیؒ اور شیخ قمی نے ابن ابی الحدید کا قول بھی نقل کیا کہ اس نے کہا کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا ابوبکر سے ناراض ہی دنیا سے گئی ہیں مطلب کہ جس سے ہمارے علماء نے نقل کیا وہ خود ناراضگی کا قائل تھا لہٰذا ہمارے علماء نے یہی ثابت کرنے کے لئے اس روایت کو نقل کیا لہٰذا علمائے تشیع نے اِس روایت کو ابن ابی الحدید سے رَد کرنے کے لئے نقل کیا جو قطعاً ہم پہ حجت نہیں ہو سکتی۔

اعتراض نمبر 11 :

شیعہ کتاب علل الشرائع میں ہے کہ حضرت ابوبکر بعد میں جناب سیدہؑ کے پاس آئے اور کہا کہ مَیں اس وقت تک دھوپ سے نہیں اُٹھوں گا جب تک آپ راضی نہ ہوں تو جناب سیدہؑ نے اُن سے کلام کیا لہٰذا اِس بات کی نفی ہوئی کہ جناب سیدہؑ نے وفات تک کلام نہ کیا اور یہ حضرت ابوبکر کی اہلِ بیتؑ سے محبت کی دلیل ہے۔

جواب :

شیعہ کتاب علل الشرائع میں ایک طویل روایت ہے جس کو ہم اختصار کے ساتھ نقل کریں گے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کی عیادت کے لئے آئے اور مولا علی علیہ السلام سے کہا کہ جنابِ سیدہؑ سے ہماری سفارش کریں لیکن جنابِ سیدہؑ نے ملنے سے اِنکار کیا تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ مَیں اُس وقت تک دھوپ سے نہ اُٹھوں گا جب تک آپ ہمیں معاف نہ کر دیں تو مولا

علیہ السلام کی سفارش پر جنابِ سیدہ ؑ ملنے پر راضی ہوئیں جس پر جنابِ سیدہ ؑ نے ان کی خوب سرزنش کی اور فرمایا کہ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی اور اپنے بابا سے تمہاری شکایت کروں گی پس وہ واپس چلے گئے اور جنابِ سیدہ ؑ نے وصیت کی کہ یہ لوگ میرے جنازے میں شریک نہ ہوں تو جنابِ امیر ؑ نے رات کو جنابِ سیدہ ؑ کو دفن کیا اور ابوبکر و عمر کو اِس کی اطلاع نہ کی۔

(علل الشرائع جلد 1 صفحہ 248 باب 124 حدیث نمبر 2)

یہی روایت بیت الاحزان صفحہ 117 اُردو، حق الیقین اور جلا العیون میں بھی آئی ہے

اَب اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ جنابِ سیدہ ؑ نے ان سے کلام کیا لہٰذا جو یہ بات ہے کہ جنابِ سیدہ ؑ نے آخری وقت تک کلام نہ کیا اس کا رَد ہوا۔

اور حضرت ابوبکر و عمر اہلِ بیت ؑ سے محبت رکھتے تھے کہ ان کو منانے کی خاطر دھوپ میں کھڑے رہے۔

ہم کہتے ہیں حضرت ابوبکر کا دھوپ میں کھڑا ہونا معنیٰ نہیں رکھتا کیونکہ جنابِ سیدہ ؑ ان سے راضی نہیں ہوئی بلکہ ان کی سرزنش کی اور رہی بات کہ جنابِ سیدہ ؑ نے اُن سے کلام کیا تو یہ کلام رضا کی خاطر نہ تھا بلکہ سرزنش کرنے کی خاطر تھا جیسے اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا لیکن جگہ جگہ قرآن میں کفار کی سرزنش کی گئی اور اُن کو ہدایت کی طرف آنے کی دعوت بھی دی گئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ پہلی آیت معاذ اللہ رَد ہو گئی بلکہ مصلحت دیکھنی چاہیے۔

مزید کہ اس روایت کا اصل مصدر علل الشرائع ہی ہے تو اس کی سند ملاحظہ کریں :

حدثنا علی بن احمد قال حدثنا ابو العباس احمد بن محمد بن یحی عن عمرو بن ابی المقدام و زیاد بن عبید اللہ قال اتی رجل ابا عبداللہ ع ---

اَب اس کی سند میں علی بن احمد بن متیل مجہول ہے۔

(المفید من معجم رجال الحدیث صفحہ 384)

اور ابوالعباس احمد بن محمد بن یحی بھی مجہول ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے تو اس سے استدلال فائدہ مند نہیں۔

اعتراض نمبر 12 :

کسی روایت سے بھی حضرت فاطمہ زہراء ؑ کے اپنے الفاظ نہیں دکھائے جا سکتے کہ اُنہوں نے خود فرمایا ہو کہ مَیں ابوبکر سے کلام نہیں کروں گی۔

جواب :

یہ بھی اکثر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ جنابِ سیدہ ؑ کے اپنے الفاظ نہیں دکھائے جا سکتے کہ وہ ان حضرات سے ناراض ہوئیں۔

ہم کہتے ہیں کہ جنابِ سیدہ ؑ سے یہ الفاظ برادران کی صحاح ستہ میں مروی ہیں۔

عن ابی ھریرہ ان فاطمہ جائت ابابکر و عمر تسال میراثیھا من رسول اللہ ص فقال سمعنا رسول اللہ ص یقول انی لا اورث قالت واللہ لا اکلمکما ابدا فما تت ولا تکلمھما ۔

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جنابِ سیدہ ؑ ابوبکر، عمر کے پاس گئیں اور اپنے بابا کی

میراث کا سوال کیا جس پہ انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہمارا کوئی وارث نہیں پس جناب سیدہ ؑ نے فرمایا کہ میں تم سے ہمیشہ کے لئے بات نہیں کروں گی پس جناب سیدہ ؑ کی وفات ہوگئی اور انہوں نے ان دونوں سے بات نہ کی

(ترمذی شریف صفحہ 281 حدیث 1609 طبع بیت الافکار)

اس کے بعد امام ترمذی اپنے استاد سے لکھتے ہیں :

قال علی بن عیسیٰ معنی لا اکلمکما تعنی فی ھذا المیراث۔

علی بن عیسیٰ نے کہا کہ یہاں بات نا کرنے کا مطلب ہے کہ اس میراث کے بارے میں بات نہیں کروں گی۔

اب یہاں امام ترمذی نے اس بھونڈی تاویل کا سہارا لیا جس کو علماء نے رد کیا ہے ہم کچھ اقوال یہاں نقل کر رہے ہیں۔

(1)۔ امام ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں :

و وقع عند عمر بن شبہ من وجہ آخر عن معمر فلم تکلمہ فی ذلک المال و کذا نقل الترمذی عن بعض مشائخہ ان قول فاطمہ لابی بکر و عمر لا اکلمکما ای فی ھذا المیراث و تعقبہ الشاشی بان قرینہ قولہ غضبت تدل علی انھا امتنعت من الکلام جملہ فھذا صریح الھجر -

اور عمر بن شبہ کے نزدیک جناب سیدہ ؑ کے بات نہ کرنے سے مراد اس مال کے بارے میں بات نہ کرنا ہے اور اسی طرح ترمذی نے اپنے بعض اساتذہ سے نقل

کیا جناب سیدہ ؑ کا ابوبکر عمر کو فرمایا کہ مَیں تم سے کبھی بات نہیں کروں گی وہ بات نہ کرنے سے مراد اُس میراث کے بارے میں تھا لیکن شاشی نے ان کا تعاقب کیا ہے کہ (بخاری مسلم کی) روایت میں غضبت کے قرینہ کے تحت اس چیز کا استدلال بنتا ہے کہ ہر قسم کے کلام یا بول چال کی ممانعت جو کہ صریح طور پہ بول چال کا ترک کرنا ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد 6 صفحہ 233 طبع سعودیہ)

(2)۔ امام شمس الدین الزرکشی حنبلی لکھتے ہیں :

فهجرت ابابكر ولم تزل مهاجرته حتى توفيت هذا اللفظ يرد ماحكاه الترمذى عن شيخه على بن عيسى انها لم تكلّمه فى هذا الميراث خاصة ـ

پس جناب سیدہ ؑ نے ابوبکر سے ترک ملاقات کردی اور ان سے ملاقات نہ کی حتی کہ ان کی وفات ہوگئی۔

یہ الفاظ ترمذی کے اُستاد کا رَد کرتے ہیں جو اُس نے کہا کہ خاص طور پر میراث کے بارے میں بات نہیں کی۔

(التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح جلد 2 صفحہ 683 طبع مكتبة الرشد)

(3)۔ امام شمس الدین البرماوی لکھتے ہیں :

(ولم تزل مهاجرته) --- وفى هذا رَدٌّ لما حكاه الترمذى عن شيخه على بن عيسى انها لم تكلمه فى هذا الميراث خاصةً۔

(اورانہوں نے ابوبکر سے ملاقات نہیں کی) اس میں اس کا رد ہے جو امام ترمذی کے اُستاد نے کہا ہے کہ جنابِ سیدہؑ نے خاص طور پہ اس میراث کے مسئلہ میں بات نہیں کی۔

(اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح جلد 9 صفحہ 149 طبع دارالنوادر)

(4)۔ محمد بن ابی بکر الدمامینی نے مصابیح الجامع جلد 6 صفحہ 411 طبع دارالنوادر میں اسی جملہ سے استدلال کرتے ہوئے ترمذی کے اُستاد کا رد کیا۔

(5)۔ امام تقی الدین مقریزی لکھتے ہیں :

قال علی بن عیسی : معنی لا اکلمکما : یعنی فی هذا المیراث انتما صادقان ۔ قال مولفه : تاویل علی بن عیسی بن یزید البغدادی هذا غیر موافق علیه -----

پہلے ترمذی کے اُستاد کا قول نقل کرتے ہیں پھر لکھتے ہیں علی بن عیسیٰ بن یزید بغدادی کی تاویل اس کے موافق نہیں (پھر آگے بخاری مسلم سے وہی ناراضگی والے الفاظ نقل کر کے دلیل قائم کرتے ہیں)

(امتاع الاسماع جلد 13 صفحہ 158 طبع بیروت)

(6)۔ محمد الامین الھرری الشافعی لکھتے ہیں :

(قال) الراوی : (فهجرته) ای هجرت فاطمة ابابکر (فلم تکلمه حتی توفیت) ای ماتت یعنی انها امتنعت من الکلام معه جملة لا فی حق المیراث خاصة کما تاوله بعضهم بذلك

لان القرینة قائمة علی خلاف ذلك۔

راوی کا کہنا کہ جناب سیدہ ؑ نے ترک ملاقات کر دیا اور وہ ابوبکر سے غصہ ہوئیں اور وفات تک اُن سے کلام نہ کیا اس کا مطلب ہے کہ جناب سیدہ ؑ نے ابوبکر سے ہر قسم کے کلام کا انکار کیا صرف میراث کے بارے میں نہیں جیسا کہ بعض نے کہا ہے کہ صرف میراث پر بات نہیں کی بے شک یہ قرینہ ان تاویلات کے خلاف ہے۔

(الکوکب الوہاج شرح مسلم بن حجاج جلد 19 صفحہ 175 طبع مکہ مکرمہ)

تو یہاں ہم نے 6 علمائے اہلِ سنت کے اقوال نقل کئے کہ امام ترمذی نے جو تاویل کی وہ مردود ہے اور جناب سیدہ ؑ کا مطلقاً ابوبکر سے ناراض ہونا ثابت ہے اور ان کی زبانی ثابت ہے۔

اعتراض نمبر 13 :

حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کو اِس حدیث کا علم نہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے لہٰذا جب حضرت ابوبکر نے ان کو یہ حدیث سُنائی تو وہ ناراض ہوئیں لیکن بعد میں راضی ہو گئیں۔

جواب :

یہ بھی ایک بوگس اعتراض ہے ہم کہتے ہیں کہ وراثت کے مسائل کا علم ان کو ہونا چاہیے جو کل کو وارث نہیں بنیں گے یا حضرت ابوبکر کو جن کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت سے کوئی تعلق ہی نہیں ؟

اگر ایسا معاملہ ہوتا کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا تو بحکم اولی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مسئلہ

اپنی آل اور اَزواج کو بتانا چاہیے تھا کہ ان کو معلوم ہوتا کہ کل کو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت میں سے کچھ نہیں ملے گا تو ایسی کیا مجبوری تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مسئلہ نہ اپنی اولاد کو بتایا نا اہلِ بیتؑ کو بتایا اور نہ اَزواج کو بلکہ حضرت ابوبکر کو انفرادی طور پہ بتا دیا جن کا وراثتِ نبوی سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

لہٰذا یہ بات خلافِ عقل ہے۔

اعتراض نمبر 14 :

سُنی کتب میں کافی ساری روایات موجود ہیں کہ جنابِ سیدہؑ ابوبکر سے راضی ہوگئیں تھیں اور جنابِ سیدہؑ کا جنازہ بھی ابوبکر نے پڑھایا لہٰذا ناراضگی والی بات کسی کام کی نہیں۔

جواب :

ہم کہتے ہیں کہ جنابِ سیدہؑ کے راضی ہونے اور جنازہ پڑھانے والی تمام روایات ضعیف ہیں اس پر ہمارا کلام ذرا مفصل ہوگا تو اَب ہم ان کا علمی آپریشن کرتے ہیں۔

شعبی کی روایت :

اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ حدثنا ابو عبداللہ محمد بن یعقوب. حدثنا محمد بن عبد الوهاب. حدثنا عبدان بن عثمان العتکی بنیسابور. انبانا ابو حمزة. عن اسماعیل بن ابی خالد. عن الشعبی. قال: لما مرضت فاطمة اتاها ابوبکر الصدیق فاستاذن علیها. فقال علی: یا فاطمة هذا ابوبکر یستاذن

عليك ؛فقالت اتحب ان آذن له ؟قال : نعم ! فاذنت له فدخل عليها يترضاها فقال والله ما تركت الدار والمال ولااهل والعشيرة الا ابتغاء مرضاة الله، ومرضاة رسوله، ومرضاتكم اهل البيت، ثم ترضاها حتى رضيت -

جب جناب سیدہ بیمار ہوئیں تو ابوبکر نے آنے کی اِجازت مانگی تو جناب امیرؑ نے جنابِ سیدہ سے فرمایا کہ ابوبکر آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں کیا آپ کو اچھا لگے گا کہ ان کو اِجازت دیں ؟ انہوں نے کہا ہاں پس ابوبکر نے اِجازت مانگی اور اُن کی رضا سے اندر گئے اور کہا کہ کو کچھ بھی ہے گھر، مال، اہل وعیال وہ اللہ ورسولؐ اور آپ اہلِ بیت کی رضا کے لئے ہے تو جنابِ سیدہ یہ سُن کر راضی ہوگئیں۔

(السنن الکبریٰ امام بیہقی جلد 6 صفحہ 491 حدیث 12735 طبع بیروت)

(طبقات ابن سعد جلد 8 صفحہ 27)

اوّل یہ روایت مرسل ہے کہ شعبی نے اس واقعہ کو درک نہیں کیا کیونکہ شعبی حضرت عمر کے دور میں پیدا ہوا۔

اسی لئے علمائے اہلِ سنت لکھتے ہیں :

والظاهر ان الشعبي سمعه من علي او ممن سمعه من علي-

اور ظاہری طور پر شعبی نے اسے علیؑ سے سُنا ہے یا پھر کسی ایسے سے جس نے علیؑ سے سُنا ہے۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد 15 صفحہ 28 امام بدر الدین عینی، طبع بیروت

زاد المسلم جلد 5 صفحہ 310 امام ابن کثیر۔

اب شعبی کی مولا علیؑ سے ملاقات ثابت نہیں اور نہ اُس نے مولا ؑ سے روایت کی ہے جیسا کہ علمائے اہلِ سنت لکھتے ہیں :

روی ھذا الشعبی عن علی ولا یصح لان الشعبی لم یلق علیا۔

شعبی نے اسے علیؑ سے روایت کیا جو صحیح نہیں کیونکہ شعبی کی علیؑ سے ملاقات ثابت نہیں

تفسیر قرطبی جلد 2 صفحہ 239

یہی بات ابن عبدالبر نے الاستذکار جلد 8 صفحہ 168 میں کہی ہے۔

یہی بات امام حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث صفحہ 164 میں کہی ہے۔

لہٰذا شعبی کا مولا سے سننا تو ممکن نہیں اور دوسری بات جو بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں لکھی کہ شاید شعبی نے کسی ایسے سے سنا جس نے مولاؑ سے سنا تو اس کو بھی دیکھتے ہیں کہ ایک راوی حارث بن عبداللہ ہمدانی ملتا ہے جس سے شعبی نے روایات لیں اور اس حارث راوی نے مولا علیؑ سے روایات لیں مطلب یہ بندہ ہے جس نے مولاؑ سے سنا اور شعبی نے اس سے سنا تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ راوی کذاب اور ضعیف ہے۔

(تہذیب الکمال جلد 5 صفحہ 245 طبع بیروت)

لہٰذا امام بدرالدین عینی حنفی کے احتمال کے مطابق تو یہ روایت شدید ضعیف ہو گئی۔

مزید یہ کہ شعبی کی مراسیل ضعیف ہیں جس کی علمائے اہلِ سنت نے تصریح کی ہے کچھ حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔

ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں :

ففی كلام الترمذی ما یقتضی تضعیفها مع مراسیل الشعبی۔

(شرح علل الترمذی جلد 1 صفحہ 285 طبع دار الملاح)

شیخ شریف حاتم بن عارف لکھتے ہیں :

ما یرسله الشعبی عن علی فانه ضعیف۔

(شرح الموقظہ الذہبی صفحہ 73 طبع دار ابن الجوزی)

امام قسطلانی لکھتے ہیں :

واما مراسیل الشعبی لیست بحجة مطلقا۔

(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد 6 صفحہ 475)

محقق شعیب ارنووط لکھتے ہیں :

صحیح لغیرہ وهذا اسناد ضعیف لانقطاعه الشعبی لم یسمع من دحیة الکلبی۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 311)

محقق حسین سلیم اسد لکھتے ہیں :

اسناده ضعیف لنقطاعه الشعبی لم یدرك عمر بن الخطاب۔

(سنن الدارمی جلد 1 صفحہ 64)

لہٰذا ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ شعبی کی یہ روایت مرسل ہے اور اس کی مراسیل حجت نہیں بلکہ ضعیف ہیں جبکہ ناراضگی والے الفاظ بخاری مسلم میں مسند روایات میں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اہلِ سنت کی اصول کی کتب میں ہے کہ مسند روایات مرسل پر راجح ہوتی ہیں ملاحظہ ہوں۔

المہذب فی علم اصولِ الفقہ جلد 2 صفحہ 828

العرف الشذی شرح سنن الترمذی جلد 2 صفحہ 6

القول الفصل فی العمل بالحدیث المرسل صفحہ 36

لہٰذا شعبی والی اس روایت کا مکمل رَد ہوا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منسوب روایت :

ثنا محمد بن هارون بن حسان البرقي بمصر ثنا محمد بن الوليد بن ابان ثنا محمد بن عبد الله القدامي كذا قال وانما هو عبد الله بن محمد القدامي قال مالك بن انس اخبرنا عن جعفر بن محمد عن ابيه عن جده قال توفيت فاطمة بنت رسول الله ....فتقدم ابوبكر فصلى عليها فكبر عليها اربعا و دفنها ليلا

۔(الکامل فی الضعفاء الرجال 5 صفحہ 423)

اس کو نقل کرنے کے بعد خود امام ابن عدی نے اس میں موجود راوی عبد اللہ بن محمد القدامی پر جرح کی کہ اس کی احادیث غیر محفوظ اور مضطرب ہیں۔

علاوہ ازیں امام حاکم اس کی احادیث کو موضوع یعنی گھڑی ہوئی کہتے ہیں۔

(المدخل الی الصحیح صفحہ 152)

مزید علی حسن الحلبی اس روایت کو اپنی کتاب موسوعۃ الاحادیث والا ثار الضعیفہ

والموضوعہ جلد 12 صفحہ 65 طبع ریاض میں لکھتے ہیں کہ یہ اس کے ضعیف وموضوع ہونے کی علامت ہے۔

ابراہیم کی روایت :

اخبرنا شبابة بن سوار، حدثنا عبد الاعلی بن ابی المساور، عن حماد، عن ابراهيم، قال: صلى ابو بكر الصديق على فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فكبر عليها اربعا۔

(طبقات ابن سعد جلد 8 صفحہ 29 طبع بیروت)

اس کی سند میں عبد الاعلیٰ بن ابی مساور کذاب، منکر الحدیث اور متروک راوی ہے۔

(تہذیب الکمال جلد 16 صفحہ 366 طبع بیروت)

ابن عباس کی روایت :

حدثنا عبد الله بن محمد بن جعفر ثنا محمد بن عبد الله رشتة ثنا شيبان ابن فروخ ثنا محمد بن زياد عن ميمون بن مهران عن ابن عباس ... كبر ابو بكر على فاطمة اربعا و كبر عمر على ابى بكر اربعا و كبر صهيب على عمر اربعا۔

(حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء جلد 4 صفحہ 96)

اس کی سند میں محمد بن زیاد کذاب اور حدیثیں گھڑنے والا ہے۔

(المجروحین ابن حبان جلد 2 صفحہ 250)

(میزان الاعتدال جلد 6 صفحہ 154 طبع بیروت)

عبداللہ بن عمر کی روایت :

حدثنا حفص بن حمزة حدثنا فرات بن السائب حدثنا میمون بن مهران حدثنا عبدالله بن عمر قال .... کبر ابو بکر علی فاطمة اربعًا۔

(بغیة الباحث عن زوائد مسند الحارث جلد 1 صفحہ 371 امام ہیثمی)

اس کی سند میں میمون بن مہران منکر الحدیث اور متروک راوی ہے۔

(لسان المیزان جلد 4 صفحہ 430)

فرات بن سائب بھی ضعیف راوی ہے۔

(لسان المیزان جلد 4 صفحہ 430)

لہٰذا یہ تمام روایات جو کتب اہلِ سنت میں جناب سیدہ ؑ کے راضی ہونے اور ابوبکر کا اُن کے جنازہ پڑھانے پر ملتی ہیں سب ضعیف ہیں اب آخر میں ایک قول نقل کر دیا جائے تا کہ اس تمام بحث کی تصدیق ہو جائے۔

اِبن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

وروی الواقدی من طریق الشعبی قال صلی ابوبکر علی فاطمة و هذا فیه ضعف وانقطاع وقد روی بعض المتروکین عن مالك عن جعفر بن محمد عن ابیه نحوه۔

واقدی نے شعبی سے نقل کیا کہ ابوبکر نے جناب سیدہ ؑ کا جنازہ پڑھایا اور اس میں ضعف ہے اور انقطاع بھی اور کچھ متروک راویوں نے اسے مالک سے انہوں نے

امام صادقؑ سے انہوں نے اپنے آباء سے نقل کیا۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد 13 صفحہ 76)

اب اہلِ سنت کے اس جید عالم کا قول بھی آ گیا کہ یہ تمام اسناد ضعیف ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جنابِ سیدہ ؑ کا جنازہ مولا علی علیہ السلام نے پڑھایا اور ابو بکر کو اِس بارے میں بتایا ہی نہیں۔

اہلِ سنت کی صحیح احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں :

فلما توفیت دفنها زوجها علی لیلا ولم یوذن بها ابا بکر وصلی علیها۔

پس جب جناب سیدہ ؑ کا وصال ہوا تو ان کے شوہر علیؑ نے رات میں اُن کو دفن کیا اور ابو بکر کو بتایا ہی نہیں اور ان پر نمازِ جنازہ پڑھی۔

(1)۔ صحیح ابن حبان جلد 1 صفحہ 317 حدیث 6573

(2)۔ صحیح بخاری جلد 4 صفحہ 1549 حدیث 3998

(3)۔ اکمال اکمال المعلم شرح صحیح مسلم جلد 5 صفحہ 77

تو اَب ان تینوں صحیح کتب میں روایت کے یہ الفاظ ملتے ہیں کہ ابو بکر کو اطلاع ہی نہیں دی گئی اور ان کا جنازہ بھی جناب امیر علیہ السلام نے پڑھایا لہٰذا یہاں اس اعتراض کا بھی آپریشن مکمل ہوا۔

اعتراض نمبر 15 :

شیعہ کتب میں ہے غیر منقولہ (وہ جائیداد جو ایک جگہ سے دوسری جگہ نہ جا

سکے مثلاً مکان، زمین وغیرہ) جائیداد کی وارث عورت نہیں بن سکتی تو جناب سیدہ کیسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وارث بن سکتی ہیں ؟

جواب :

اس اعتراض میں دلیل کے طور پر الکافی کی روایات پیش کی جاتی ہیں کہ فروعِ الکافی جلد 7 صفحہ 83 کتاب مواریث میں پورا باب قائم کیا گیا ہے جس کا عنوان ہے :

باب 68 : ان النساء لا یرثن من العقار شیئا ۔

یعنی عورتیں غیر منقولہ جائیداد سے کچھ بھی وراثت نہیں پاتی۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہاں النساء یعنی عورتوں سے مراد مطلقاً عورتیں نہیں بلکہ بیویاں ہیں یعنی بیویاں یہ میراث نہیں پائیں گی جیسا کہ اس باب کے ذیل میں علامہ مجلسیؒ نے مراۃ العقول جلد 23 صفحہ 187 میں بحث کی ہے اور اسی باب کی حدیث نمبر 6 میں بھی وضاحت آئی ہے کہ یہاں مراد اَزواج ہیں اور قرآن میں سورہ النساء میں جگہ جگہ زوجہ کے لئے لفظ النساء استعمال ہوا ہے۔

مزید روایات میں بھی تصریح آئی ہے لیکن ایک روایت ہم نقل کر دیتے ہیں تاکہ بات مکمل واضح ہو سکے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورتیں غیر منقولہ جائیداد میں کچھ وراثت نہیں پائیں گی۔۔۔۔ یہاں عورتوں سے مراد زوجہ ہے۔ (من لا یحضرہ الفقیہ جلد 4 صفحہ 272 حدیث 5750 اُردو)

لہٰذا یہاں بات ہی ازواج کی ہے تو اولاد کی وراثت پر اعتراض کرنا فقط کم علمی یا لاعلمی

ہے کیونکہ یہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ جنابِ سیدہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترکہ کی
وارث ہیں۔

یہاں تک ہم نے تمام کئے جانے والے اعتراضات کے علمی جوابات دے دیئے ہیں
اور یہاں تک یہ ثابت ہوا کہ جنابِ سیدہ زہراء سلام اللہ علیہا کو مختلف عذر بنا کر فدک
نہ دیا گیا اور جنابِ سیدہ حضرت ابوبکر سے ناراض ہوگئیں اور وفات تک اُن سے نہ
ملیں

حضرت عائشہ کو بھی اجازت نہ دی گئی :

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی حضرت ابو بکر سے ناراضگی کا عالم یہ تھا کہ حضرت عائشہ کو بھی جناب سیدہ کے غسل وکفن میں آنے کی اجازت نہ دی گئی۔

عن ام جعفر بنت محمد بن جعفر ان فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وآله قالت..... فاذا انامت فا غسليني انت و على عليه السلام ولا تدخلي على احدا . فلما توفيت جائت عائشة تدخل فقالت : ان هذا الخثعمية تحول بيني وبين ابنة رسول الله صلى الله عليه وآله . وقد جعلت لها مثل هود ج العروس . فجاء ابو بكر فوقف على الباب وقال يا اسماء ما حملك ان منعت ازواج النبي صلى الله عليه وآله ان يدخلن على ابنة النبي صلى الله عليه وآله . وجعلت لها مثل هود ج الروس ؟ فقالت : امرتني ان لا تدخلي على احدا . واريتها هذا الذى صنعت وهي حية فامرتني ان اصنع ذلك لها .۔

جناب سیدہ نے اسماء بنت عمیس سے فرمایا کہ جب میرا وصال ہو تو آپ اور علی مجھے غسل دینا اور کسی کو نہ آنے دینا جب سیدہ سلام اللہ علیہا کا وصال ہوا تو عائشہ آئیں وہ حضرت فاطمہ کے پاس جانا چاہتی تھیں لیکن حضرت اسماء بنت عمیس حضرت ابو بکر کی نے انہیں روک دیا تو عائشہ نے ابو بکر سے شکایت کی کہ اس خثعمیہ کو کیا ہوا ؟ جو ہمارے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے درمیان حائل ہو رہی ہے اور مجھے ان کے

پاس جانے سے روک رہی ہے نیز اس نے حضرت فاطمہؑ کے جنازے کیلئے ایسا پردہ تیار کیا ہے جیسے دلہن کا کوکجاوہ ہو پھر ابوبکر حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر آئے اور کہنے لگے کہ اسماء تجھے کیا ہوا ہے کیا تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کو ان کی بیٹی کے پاس جانے سے روک رہی ہو اور تم نے ان کے لئے دلہن کے کجاوے کی طرح کی کوئی چیز تیار کی ہے ؟

تو اسماء نے کہا مجھے سیدہؑ نے حکم دیا تھا کہ ان کے وصال کے بعد کسی کو ان کے پاس نہ آنے دوں اور جو کچھ میں نے تیار کیا ہے ان کے حکم سے تیار کیا ہے اور انہیں دکھایا تھا تو وہ خوش ہوئیں تھیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا پھر وہی کرو جس کا انہوں نے حکم دیا تھا اور کوئی حرج نہیں۔

یہ روایت اہلِ سنت کی درج ذیل کتب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(1)۔ السنن الکبریٰ للبیہقی جلد 4 صفحہ 56 حدیث 6930 طبع بیروت

(2)۔ الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب صفحہ 928

(3)۔ تاریخ اسلام جلد 3 صفحہ 48 امام ذہبی

(4)۔ انساب الاشراف صفحہ 405 بلاذری (عن عروہ)

(5)۔ جمع الجوامع جلد 11 صفحہ 119 امام سیوطی طبع بیروت

اس حدیث کی توثیق جن علماء نے کی اُن کے حوالہ جات بھی درج کئے دیتے ہیں

(1)۔ امام ناصر الدین البانی اہلِ حدیث اس کی سند کو حسن قرار دیتے ہیں۔
(ارواء الغلیل جلد 3 صفحہ 162 حدیث 701 طبع بیروت)

(2)۔ امام ابوعبداللہ الجوزقانی اس کی سند کو مشہور حسن کہتے ہیں۔

(الاباطیل والمناکیر صفحہ 231 حدیث 449 طبع بیروت)

(3)۔ امام ابن حجر عسقلانی اس کی سند کو حسن قرار دیتے ہیں

(تلخیص الجبیر جلد 2 صفحہ 285 طبع موسسہ قرطبہ)

ابن حجر عسقلانی مزید لکھتے ہیں :

اس حدیث سے امام احمد بن حنبل اور ابن منذر نے بالجزم احتجاج کیا ہے جو کہ ان کے نزدیک اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

(تلخیص الجبیر جلد 2 صفحہ 285 طبع موسسہ قرطبہ)

اعتراض :

اِس حدیث میں تو درج ہے کہ حضرت عائشہ نے حضرت ابوبکر کو شکایت لگائی تو حضرت ابوبکر اسماء بنتِ عمیس کے پاس آئے لہٰذا ان کو معلوم تھا کہ جناب سیدہ ؑ کا وصال ہو چکا ہے تو یہ کہنا کہ ان کو جناب سیدہ ؑ کے وصال کی خبر نہ ہوئی کیا ان دونوں باتوں میں تضاد نہیں ؟

جواب :

ہم اِس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اگر حضرت ابوبکر کو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے دنیا سے چلے جانے کا علم تھا تو معاملہ زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے علم میں ہوتے ہوئے بھی ان کو آنے کی اجازت نہ دی گئی۔

اصل مسئلہ یہ نہیں کہ حضرت ابوبکر کو معلوم تھا یا نہ تھا بلکہ مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ جناب

سیدہ سلام اللہ علیہا کی وصیت کے مطابق وہ ان کے جنازہ میں شریک نہ ہوئے اور مولا علی علیہ السلام نے ان کو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے جنازہ کی خبر ہی نہ دی اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو دفن کر دیا لیکن اگر یہ مانا جائے کہ حضرت ابوبکر کو معلوم تھا تو پھر بخاری مسلم کی عبارت یوذن بھا ابا بکر کا مطلب یہ بنے گا کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے ابوبکر کو اِجازت نہ دی کہ وہ بھی جنازہ میں شامل ہوں۔

لہٰذا یہاں بھی بات ہمارے مطالب پہ پورا اُترتی ہے کہ حضرت ابوبکر تو دور اُن کی بیٹی حضرت عائشہ کو بھی جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے جنازے میں آنے کی اِجازت نہ دی گئی لیکن چونکہ حضرت اسماء بنت عمیس محبّ اہلِ بیت تھیں لہٰذا اُن کو جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے خود غسل دینے کا فرمایا اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر کے بعد جنابِ اسماء کی شادی مولا علی علیہ السلام سے ہوئی۔

حاکم مالِ فئی پر قابض ہوں گے (حدیث نبوی):

ہم کتب حدیث میں دیکھتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا ﷺ نے اس معاملہ میں پہلے سے آگاہی فرمادی تھی کہ میرے بعد حاکم مالِ فئی کو اپنے ساتھ مخصوص کرلیں گے یعنی اس پہ قابض ہوجائیں گے۔

جیسا کہ سنن ابوداوٗد میں بسند معتبر روایت آئی ہے:

حدثنا عبدالله بن محمد النفيلي، حدثنا زُهير، حدثنا مطرف بن طريف، عن ابي الجهم، عن خالد بن وهبان عن ابي ذر، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كيف انتم وائمة من بعدي يستاثرون بهذا الفيء؟

قلت: اذن والذي بعثك بالحق اضع سيفي على عاتقي، ثم اضرب به حتى القاك او الحقك قال: اولا ادُلُّكَ على خير من ذلك؟ تصبر حتى تلقاني۔

جناب ابوذر سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب میرے بعد جو حاکم ہوں گے وہ مالِ غنیمت کو اپنا مال سمجھیں گے یعنی مجاہدین کو موافق شرع کے تقسیم نہ کرنے دیں گے مَیں نے کہا قسم اُس ذات کی جس نے آپ کو سچا پیغمبر کر کے بھیجا مَیں اپنی تلوار کو اپنے کاندھے پر رکھوں گا پھر اس سے ماروں گا یہاں تک کہ آپ سے مل جاؤں آپ نے فرمایا مَیں تجھے اس سے زیادہ بہتر تدبیر نہ بتا دوں تو صبر کر یہاں تک کہ مجھ سے ملے۔

(سنن ابوداؤد جلد 3 صفحہ 450 حدیث 1332 اُردو ترجمہ علامہ وحید الزمان)

روایت کی توثیق :

(1)۔ اس روایت پر امام ابوداؤد نے سکوت کیا کہ ان کے نزدیک اس روایت کے حسن ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ ہم پہلے اس بات کو ثابت کر چکے ہیں۔

(2)۔ محقق حمزہ احمد الزین اس کی سند کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 11 صفحہ 22 حدیث 21450 طبع قاہرہ)

مذکورہ روایت میں کچھ چیزیں قابلِ غور ہیں۔

(1)۔ روایت میں الفاظ ہیں ائمة من بعدی یستاثرون بھذا الفیء۔ میرے بعد حاکم اس فئی کو اپنے لئے خاص کرلیں گے۔

(2)۔ یہ خبر جناب ابوذر کو دی گئی اور جناب ابوذر کا وصال حضرت عثمان کے دور میں ہوا مطلب پہلے تینوں خلفاء کے ادوار میں اس پیشگوئی کا صادق ہونا لازم آتا ہے۔

(3)۔ جناب ابوذر کو تلوار اُٹھانے سے منع کیا گیا اور صبر کی تلقین کی گئی۔

لہٰذا یہاں یہ بات اظہر من الشمس ہوئی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ میرے بعد حاکم مال فئی کو اپنے لئے خاص کریں گے مطلب خود سے اس پر قابض ہوجائیں گے اور یہ پیش گوئی پوری ہوئی کیونکہ حضرت ابوبکر نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے فدک چھین کر اپنے ساتھ مخصوص کرلیا جبکہ وہ جناب سلام اللہ علیہا کی ملکیت تھا اور مولا کا اس پر صبر کرنا عین حدیث نبوی ؐ کے مطابق تھا نا کہ قابلِ اعتراض عمل لہٰذا

حدیثِ نبوی ؐ سے بھی ہمارا مدعا ثابت ہوتا ہے۔

اعتراض :

اِس روایت پر ایک ہی اعتراض ہے کہ اس کی سند میں خالد بن وہبان راوی مجہول ہے۔

اِس کا پہلا جواب تو یہ کہ یہ راوی مجہول نہیں بلکہ علماء نے اس کی توثیق کی ہے۔

امام ابن حبان اس کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔

(ثقات ابن حبان جلد 4 صفحہ 207)

امام حاکم اس کی روایات کو صحیح جانتے ہیں۔

(المستدرک علی الصحیحین جلد 1 صفحہ 192 تحت حدیث 402)

محقق حمزہ احمد الزین اس کی سند کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

(مسند احمد حنبل جلد 11 صفحہ 22 حدیث 21450 طبع قاہرہ)

زبیر علی زئی اہلِ حدیث اس کی سند کو حسن قرار دیتے ہیں۔

(سنن ابوداوٗد جلد 4 صفحہ 611 حدیث 6759)

امام ابوداوٗد نے بھی اِس حدیث پہ سکوت کیا لہٰذا ان کے نزدیک یہ حدیث حسن ہے جیسا کہ پہلے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ امام ابوداوٗد کا سکوت حدیث کے حسن ہونے کی دلیل ہے۔

حافظ مزی لکھتے ہیں :

اس کی سنن ابوداوٗد میں دو احادیث ہیں جو کہ ہمارے نزدیک عالی واقعہ ہوئی ہیں۔

(تہذیب الکمال جلد 3 صفحہ 289 طبع بیروت لبنان)

باقی خالد بن وہبان تابعی ہے اور قرونِ ثلاثہ میں راوی کو مجہول ہونا مضر نہیں جیسا کہ شروع میں مقدمہ بنایا گیا۔

علماء کا خالد کی روایات کو صحیح وحسن کہنا بھی خالد کی توثیق ہے جیسا کہ مقدمہ نمبر 1 بنایا گیا۔

لہٰذا یہ روایت بالکل معتبر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ صدیق کائنات ہیں ان کی صداقت پر مبنی پیش گوئی ثابت ہوئی کہ میرے بعد جو امام یا حاکم ہوں گے وہ فئی پر قابض ہو کے اپنے لئے مخصوص کرلیں گے۔

فدک کے متعلق ہمارے 24 علمی سوالات

(1)۔ حضرت ابوبکر نے کس دلیل کے تحت فدک کو اپنے قبضہ میں لیا ؟

جبکہ فدک جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی ملکیت تھی جو انہوں نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو عطا کی اِسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور اصحاب کو بھی زمینیں عطا کیں تو باقی صحابہ سے کوئی زمین نہیں لی گئی صرف جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا سے فدک ہی کیوں لیا گیا ؟

(2)۔ جب جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے دعویٰ کیا کہ میرے والد نے مجھے فدک عطا کیا تھا تو کس بنا پر گواہ طلب کیے گئے ؟

جب کہ وہی معاملہ جب جابر بن عبداللہ کے ساتھ ہوا تو جابر کی اپنے حق میں گواہی قبول کر لی گئی ؟

(3)۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے گواہ مانگ کر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی توہین کی گئی ؟

جبکہ حضرت عائشہ کی صحیح حدیث میں ہے کہ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا سے زیادہ سچا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نہیں ؟؟؟

(4)۔ جب گواہ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا نے پیش بھی کر دیئے تو بھی حضرت ابوبکر نے نصاب پورا نہ ہونے کا عذر کر کے معاملہ رد کر دیا ؟؟ یہ بات کیسے ہضم ہو سکتی ہے ؟

(5)۔ حدیث لانورث جو حضرت ابوبکر نے پڑھ کر سنائی وہ سوا لاکھ صحابہ میں سے

صرف حضرت ابوبکر کو معلوم تھی باقی کسی کے علم میں کیسے نہ تھی ؟

(6)۔ یہ حدیث جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس موقعہ پر فرمائی تھی ؟؟

(7)۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ بفرمان نبوی جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کا ٹکڑا تھیں اور بقولِ حضرت عائشہ صدیقہ بعد از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے سچی تھیں تو ان کو کیسے یہ حدیث معلوم نہ تھی ؟

(8)۔ اگر یہ حدیث صحیح تھی تو بی بی پاک حضرت ابوبکر سے ناراض کیوں ہوئیں ؟ اور جناب سیدہ کی ناراضگی کیا اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کا سبب نہیں ؟

(9)۔ مولا علی علیہ السلام جو کہ بقول حضرت عائشہ اعلم الناس ہیں اور علم کے شہر کا دروازہ بھی ہیں تو ان کو کیسے یہ حدیث معلوم نہ تھی ؟

(10)۔ یہ حدیث نبی پاکؐ کے وصال کے بعد ہی منظر عام پر کیسے آئی جبکہ سنانے والے بھی وہ تھے جو خود خلیفہ وقت تھے اور دعویٰ بھی حکومت پر تھا ان کا ؟
کیا حاکم یا خلیفہ خود مدعا علیہ ہوتے ہوئے اپنے حق میں فیصلہ دے سکتا ہے ؟
خود ہی خلیفہ خود ہی عدلیہ ؟؟

(11)۔ قرآن کی آیت وورث سلیمان داوٗد مطلقاً اس حدیث کا بطلان نہیں کر رہی ؟ اگر کوئی کہے کہ سلیمانؑ داوٗدؑ کے علمی یا نبوت کے اعتبار سے وارث ہوئے تب بھی یہ آیت حدیث لانورث کے خلاف ہے کیونکہ ابوبکر کی پیش کردہ حدیث میں مال یا علم کا کوئی استثنیٰ نہیں بلکہ مطلقاً نفی ہے ہر قسم کی روایت کی تو کیا مذکورہ آیت علمی وراثت کے اعتبار سے بھی ہو تب بھی یہ حدیث لانورث کا بطلان نہیں

کر رہی ؟؟

(12)۔ اگر نبیوں کی وراثت نہیں ہوتی تو انبیاء کی آل اولاد کیسے گھر چلائیں ؟؟ نبی کے بعد کیسے اُن کا گزارا ہو؟؟ کیا ان کو بے گھر کر دیا جائے گا ؟؟

(13)۔ اگر نبی کی وراثت نہیں ہوتی تو نبی کی بیویوں کے حجرے کیوں ضبط نہ کئے گئے ؟؟

(14)۔ اگر نبیوں کی وراثت نہیں ہوتی تو پھر جب نبی دنیا سے چلے جائیں تو نبی کی ہر چیز صدقہ ہو جائے گی جیسا کہ حدیث لانورث میں ہے تو کیا نبی کو صدقے کا کفن پہنایا گیا ؟؟

(15)۔ بروایت ابوہریرہ فی البخاری کہ جو نبی چھوڑیں اس میں سے عاملوں کا خرچہ (جبکہ ابوہریرہ عاملوں میں سے تھے) اور بیویوں کا خرچہ نکال کے باقی سب صدقہ ہے تو بتایا جائے کہ جو حدیث ابوبکر نے بیان کی اس میں لفظ ما آیا ہے کہ جو کچھ بھی ہو وہ صدقہ ہے تو حیرت ہے کہ بیویوں کا آٹھواں حصہ وراثت میں ہے ان کو خرچہ ملے گا، عاملوں کو خرچہ ملے گا لیکن آل اولاد کو کچھ نہ ملے گا ؟؟ یہ کیسا اسلامی قانون ہے ؟؟

(16)۔ اگر نبی جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے تو حضرت عمر نے مال فئی کی کچھ زمینیں حضرت علیؑ و عباس کو کیوں دیں تھیں اور فدک کیوں روکے رکھا ؟

(17)۔ اگر نبیؐ جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے تو حضرت عثمان نے فدک مروان کو بطور جاگیر کیسے دے دیا ؟

(18)۔ قرآن میں حدیث لانورث کے مضمون کا ذکر نہیں آیا حضرت ابوبکر کے علاوہ کسی نے اس کو روایت نہیں کیا بلکہ بقولِ حضرت عائشہ کے اس سے پہلے کسی کو اس حدیث کا علم تک نہ تھا حتیٰ کہ ہم کہتے ہیں کہ سیرتِ انبیاء دیکھی جائے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی سیرت یا فرمان میں ایسی کوئی مثال نہیں ملے گی کہ کسی نبی کی وراثت کی نفی کا مسئلہ ہوا ہو تو روئے زمین پر صرف حضرت ابوبکر تک یہ راز کیسے محدود رہا ؟؟

(19)۔ جناب زکریاؑ کی دُعا کہ مَیں اپنے رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں مجھے ایک ولی عطا کر جو میرا وارث ہو اور آلِ یعقوب کا بھی وارث ہو، اب اس میں جو جناب زکریا فرما رہے ہیں کیا انہیں یہ خوف تھا کہ ان کے رشتہ داران سے نبوت اور علم چھین لیں گے اس لئے انہوں نے علم اور نبوت میں وارث مانگا ؟ مضحکہ خیز بات ہے یہاں جناب زکریاؑ نے اپنے مال کا وارث اور آلِ یعقوبؑ میں نبوت کا وارث مانگا جیسا کہ مفسرین اہلِ سنت نے بھی اقرار کیا تو کیا اس سے حدیث لانورث کا بطلان نہیں ہوتا ؟

(20)۔ اگر حدیث لانورث صحیح تھی تو مولا علیؑ نے ابوبکر و عمر کو چور، خائن، غدار اور جھوٹا کیوں فرمایا ؟؟؟

(21)۔ اگر حدیث لانورث صحیح تھی تو نبیؐ نے خود جناب زید کو کیوں فرمایا کہ یہ میرا وارث ہے اور میں اس کا وارث ہوں ؟؟

(22)۔ اگر حدیث لانورث صحیح تھی تو بروایت مسند ابویعلیٰ خود ابوبکر نے جناب سیدہؑ

کو کیوں کہا کہ نبی کی آل ہی ان ہی وارث ہوگی ؟ تو جب آل وارث مان ہی لیا تھا تو بعد میں حدیث لانورث پیش کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟؟

(23)۔ اگر انبیاء کی وراثت نہ ہونے والا مسئلہ قطعی تھا تو نبی پاک کو اس مسئلہ کو اپنی بیٹی اور اپنی بیویوں سے بیان کرنا چاہیے تھا نا کہ حضرت ابوبکر سے جن کا وراثت نبوی سے دُور دُور تک کوئی تعلق نہیں۔۔۔تو ایسی کیا مجبوری تھی کہ نبی اپنے گھر والوں کو یہ قطعی وشرعی مسئلہ بتانے سے قاصر رہے ؟؟

(24)۔ اگر حدیث لانورث صحیح ہے اور کسی بھی نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی کے وارث ہوتے ہیں تو پھر پہلے انبیاء پر جو کتابیں نازل ہوئیں مثلاً تورات زبور انجیل کیا وجہ ہے کہ ان میں بھی وراثت انبیاء کی نفی کے حوالے سے کچھ بھی ذکر نہیں ہوا ؟؟ حتی کہ قرآن میں بھی اس کا کوئی اشارہ تک نہیں ؟؟

توثیق از علامہ سید مصطفی نقوی مد ظلہ العالی

یا علی علیہ السلام مدد

صدیوں سے آقازادی سلام اللہ علیہا کے حق کے

حوالے سے بہت سے خوش نصیب علماء کرام نے اپنی

اپنی زمہ داری کو پورا کیا اور الحمد للہ آج بھی مذہب حقہ خیر

البریہ کی طرف آقازادی سلام اللہ علیہا کا حق دعوت دے رہا ہے۔

برادر عزیز قسور عباس حیدری صاحب کی یہ مختصر مگر جامع علمی منطقی

استدلال براہین کی جمع آوری بہترین کاوش کوشش اہل علم اہل

عقل مسلمانوں کے لئے روشن قندیل ثابت ہوگی انشاء اللہ۔

ہم صدق دل سے آقازادی سلام اللہ علیہا کی پاک

بارگاہ میں تمام اہل ولاء کے لئے

ہمیشہ دعا گو ہیں۔

اختتام

الحمد اللہ ہم نے پوری دیانت داری سے اپنے مدعا کو
ثابت کیا اور فدک کے موضوع پر کئے جانے والے
تقریبا تمام اعتراضات کے جو ہمارے عِلم میں تھے کے
علمی و مدلل جوابات دیئے ہیں تا کہ جو طالب علم اس
کتاب کا مطالعہ کرے اُس کو حق تک پہنچنے میں آسانی
ہو کہ اِس موضوع پر جو مدعا ہم اہلِ تشیع کی طرف سے
پیش کیا جاتا ہے وہ الحمد اللہ قرآن، احادیث معتبرہ اور
کتب اہلِ سنت سے ثابت ہے۔

افضلیت جناب سیدہ فاطمۃ الزہراء

قال محمد عبد الروف

المناوی فی الشرح الحدیث فاطمۃ

بضعۃ منی: استدل بہ السھیلی.. وانھا افضل

من الشیخین (فیض القدیر جلد 4 ص 554 طبع

بیروت) وقال المناوی: انھا واخوھا ابراھیم افضل

من جمیع الصحابہ حتی الخلفاء الاربعہ. (اتحاف السائل

بما لفاطمۃ من المناقب ص 87 طبع قاھرہ)

امام عبد الروف المناوی حدیث فاطمہ سلام اللہ علیہا میرے جگر کا ٹکڑا ہے کی شرح میں کہتے ہیں کہ امام سہیلی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا شیخین (یعنی ابوبکر وعمر) سے بھی افضل ہیں

اور یہی امام مناوی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا اور انکے بھائی ابراہیم تمام صحابہ سے افضل ہیں حتی کہ خلفاء اربعہ سے بھی۔ (اتحاف السائل بما لفاطمہ من المناقب صفحہ 87 طبع قاہرہ)